منبر کی صدا

حافظ محمد ابراہیم عمری

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
جامعہ دارالسلام عمرآباد: ۶۳۵۸۰۸

نام کتاب	:	منبر کی صدا
مؤلف	:	حافظ محمد ابراہیم عمری
سنِ اشاعت	:	مئی 2012ء
صفحات	:	
قیمت	:	40/روپے
ناشر	:	ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
		جامعہ دارالسلام
		عمرآباد-635808
		ٹمل ناڈو
		فون:04174-255693

E-mail :jamiadarussalam@gmail.com

مقدمہ

الحمدلله رب العالمين .والصلوٰة والسلام على رسوله الامين۔ امابعد:

احباب مجھے مقدمہ باز نہیں ،مقدمہ نگار کی حیثیت سے جاننے لگے ہیں،تو اس کی وجہ یہ ہے کہ طالب علمی کے دِنوں ہی سے مجھے الٹا سیدھا لکھتے رہنے کا چسکا لگ چکا تھا۔مضامین تو سینکڑوں لکھ مارے، مگر مکمل کوئی کتاب تیار کرنے کی آرزو دل ہی دل میں گھٹ کر رہ گئی۔اس حسرتِ ناکام کا انجام یہ ہوا کہ جس طرح سردی کا مارا دوسروں کی رضائی میں گھس کر گرمی حاصل کر لیتا ہے،اسی طرح میں بھی دوسروں کی تصانیف میں کسی نہ کسی عنوان سے پیوند بن کر رہ جانے کی خواہش میں رہتا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ منفرد اسلوب کے قلم کار رفیقِ مکرم مولانا محمد ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ کی اکثر و بیشتر معتبر تصانیف کی فہرستِ مضامین سے چنے ہوے دسترخوان میں بن بلائے مہمان کی طرح پہنچ جاتا ہوں۔ بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ ''دِردوستاں جاروب''۔دوستوں کے گھروں کی ہر چیز پر ہمارا حق بن جاتا ہے۔ مگر میری اس جسارت پر آپ ملامت کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیب وشاعر اور میرے لائق ومحترم استاذ حضرت مولانا ابوالبیان حمّاد صاحب عمری حفظہ اللہ کے سفرنامے کے اوراق میں غبارِ راہ بن کر چپک گیا۔

جب ان مشکل مقامات سے نبرد آزما ہو چکا ہوں تو اپنے عزیز وقریب تلامذہ کی کتابوں کو تختۂ مشق بنانا میرے بائیں ہاتھ کے لیے بھی انتہائی آسان ہے۔

تلمیذ عزیز مولوی حافظ محمد ابراہیم عمری ہنچالی طالب علمی کے دور ہی سے نیک نام تھے۔استاذ بنے تو کامیاب ثابت ہوے۔تحریر کی طرف توجہ دلائی گئی تو سلیقے سے قلم سنبھال لیا۔تقریر وخطابت کی تحریک ہوی تو مشق ومحنت اور ریاضت ومطالعہ سے ایسے کامیاب ہوے کہ آج ان کے خطباتِ جمعہ کا مجموعہ مادرِ علمی مسرت کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ کر کے ان کی اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کی ہمت افزائی کر رہی ہے۔مسجد عمر آباد اپنی عمر کے نوّے سال پورے کرنے جا رہی ہے۔اس طویل مدت میں اس کے

منبر ومحراب نے تقسیمِ ہند سے پہلے اور پھر اس کے بعد بھی ملک کے طول وعرض کے اتنے نام ورسحبان جیسے خطیب ومقرر دیکھے سنے کہ بہت کم مساجد کی قسمت میں یہ سعادت حاصل ہوی ہوگی۔ قدیم دور آلاتِ جدیدہ سے محروم تھا، پھران سب کی گرج، گونج اور دھمک مسجد کے درودیوار، صحن وچمن اور فضا وخلا میں محفوظ ضرور ہوگی اور اسی کی بازگشت دورِ حاضر کے خطیبوں کو سنائی دیتی ہے۔ عمرآباد کی مسجد، اہلِ علم کی مجلس اور اہلِ نقد کا گہوارہ ہے۔ یہاں منبر پر کھڑے ہونے کے لیے بڑی ہمت، لیاقت اور استعداد کی ضرورت ہے۔ یہاں کے کامیاب خطیب ملک کے کسی بھی گوشے میں اپنے خطاب سے سامعین کو مسحور نہیں تو متأثر ضرور کرسکتے ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب گزشتہ تین برسوں سے عمرآباد کی مسجد میں پابندی کے ساتھ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں۔ اساتذہ، طلبہ اور سرپرستوں کے علاوہ خوشہ چین اور نکتہ چین بھی رہتے ہیں، ایسے میں لب کشائی ایک امتحان سے کم نہیں ہوتی۔ کافی مطالعہ، محنت اور حوالوں کے ساتھ مضمون کو مدلل اور وقیع کرنا پڑتا ہے۔ تیس منتخب خطبات کے عناوین سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ ہر موضوع مسلمانوں کے مسائل، وقت کے تقاضوں، دین کی بنیادی تعلیم، دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی فکر وفلاح، معاشرے کے غلط رسم ورواج اور گم راہ کن اوہام وخرافات وغیرہ کی نشان دہی، سلجھے ہوے انداز میں، آیات واحادیث کی روشنی میں، عام فہم اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے معاشرے کو آج ایسے ہی زندہ اور حساس عناوین پر خطبۂ جمعہ کی ضرورت ہے۔ اصلاحِ امت کی خاطر واعظ وخطیب حضرات کے لیے یہ کتاب بہت نفع بخش ثابت ہوگی۔ خصوصًا دیہات اور دور دراز علاقوں کی ان مساجد کے لیے جہاں قدیم نسخے سامنے رکھ کر حالاتِ حاضرہ سے بے خبر رہ کر سیکڑوں سال پرانے حکم رانوں کے ناموں کو پڑھ کر **خَلَّدَاللّٰهُ مُلْكَهُمْ** کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ تلمیذ عزیز کی محنت کو سراہتے ہوے مبارک باد دیتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ کامیابی کی راہ میں اٹھے ہوے قدم بڑھتے ہی جائیں گے اور ان کے قلم وزبان کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا۔ ان شاءاللہ

خیراندیش

حافظ حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری

استاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد

عرضِ مؤلف

علماے دین انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ وراثت کا یہ عظیم منصب زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔

زندگی کے ہر شعبہ میں قوم وملت کی صحیح رہ نمائی کرنا یہ علماء اور مصلحینِ امت کی ذمے داری ہے۔ خطبۂ جمعہ اس کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ خطبۂ جمعہ کا مقصد عقائد کی درستی، رب کی بڑائی، آخرت کی یاددہانی، وعظ ونصیحت، اخلاق معاملات کی اصلاح اور نفس کا تزکیہ ہے۔

جمعہ میں شریک ہونے اور خطبۂ جمعہ سننے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد میں حاضر ہو، نفل پڑھے اور یکسوئی کے ساتھ امام کا خطبہ سنے، پھر نمازِ جمعہ ادا کرے تو اس کے پچھلے ایک ہفتہ کے اور مزید تین دن کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں"۔(مسلم: باب فضل من استمع و أنصت فی الخطبة)

ہر عاقل وبالغ مسلمان مرد پر جمعہ فرض ہے۔ اس میں شریک ہونا اور خطبۂ جمعہ سننا ضروری ہے۔ جو لوگ بغیر عذرِ شرعی کے جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے ان کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْلَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلىٰ قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ۔(مسلم:باب التغليظ فی ترک الجمعة)"لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا اور وہ غافلوں میں سے ہوجائیں گے"۔

خطبۂ جمعہ کا مقصد چوں کہ نصیحت اور یاددہانی ہے، اس لیے خطیب کو چاہیے کہ اپنے خطبے میں تذکیری پہلو پر زیادہ توجہ دے۔ نبی کریم ﷺ کے خطبوں میں تذکیری پہلو غالب رہتا تھا۔ حضرت جابر سمرہؓ فرماتے ہیں: كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ وَيَقْرَأُ آيَاتٍ وَيُذَكِّرُالنَّاسَ۔ "آپ ﷺ کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے، دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے اور چند آیتیں تلاوت کر کے نصیحت فرماتے تھے"۔(صحیح الجامع الصغیر:9067)

مفید اور موثر خطبہ کے لیے خطیب کو چند باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

1۔ خطبہ مختصر ہو، اور اس میں وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا جائے۔ مختصر خطبہ دینا ایک کامیاب خطیب کی امتیازی نشانی ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوے سنا: اِنَّ طُوْلَ صَلَاۃِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِہٖ مِئِنَّۃٌ مِنْ فِقْھِہٖ۔ فَاَطِیْلُوا الصَّلَاۃَ وَاَقْصِرُوا الْخُطْبَۃَ ۔(مسلم: باب تخفیف الصلاۃ و الخطبۃ)''طویل نماز پڑھانا اور مختصر خطبہ دینا خطیب کی دانائی کی نشانی ہے، لہٰذا نماز کو طویل اور خطبے کو مختصر کرو''۔

2۔ خطبہ موقع اور محل کے مناسب ہونا چاہیے۔ خطیب پر ضروری ہے کہ عوام کے حالات اور ان کی ضروریات پر نظر رکھے۔ ساتھ ہی زمان و مکان اور وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْطُبُ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ بِمَا یَقْتَضِیْہِ حَاجَۃُ الْمُخَاطَبِیْنَ وَمَصْلِحَتُھُمْ ۔(زاد المعاد: 1/189)''نبی کریم ﷺ ہمیشہ سامعین کی ضروریات اور مصالح کو مدنظر رکھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے''۔

شیخ محمد ابو زہرہؒ فرماتے ہیں: مُرَاعَاۃُ مُقْتَضَی الْحَالِ لُبُّ الْخِطَابَۃِ وَرُوْحُھَا فَلِکُلِّ مَقَامٍ مَقَالٌ ۔(الخطابۃ لمحمد ابی زھرۃ: 56)''وقت کے تقاضوں کا خیال رکھنا خطابت کی روح اور اس کا نچوڑ ہے، کیوں کہ وہی بات اثر انداز ہوتی ہے جو موقع کی مناسبت سے کہی جائے''۔

3۔ خطبہ میں سامعین کے طبقات کا لحاظ رکھا جائے: خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ موضوع کی تیاری میں سامعین کی ذہنی صلاحیت اور علمی معیار کو بھی پیشِ نظر رکھے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے: کَلِّمِ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ۔''لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر بات کی جائے''۔

4۔ وہی خطبہ موثر اور دل پذیر ہوتا ہے جو کتاب و سنت پر مبنی ہو، اس لیے خطیب کو چاہیے کہ اپنے خطبہ کو قرآن و سنت کے نصوص سے آراستہ کرے۔ ساتھ ہی اسلافِ کرام اور بزرگانِ دین کے صحیح واقعات کو بھی اپنے خطبہ میں شامل کرلے، تاکہ ان کی عملی زندگیاں سامعین کے اندر حرکت و عمل پیدا کرنے میں معاون ہوں۔

اسی طرح ضعیف احادیث، موضوع روایات اور بے بنیاد واقعات سے پرہیز کرے۔ان سے وقتی فائدہ تو ہوسکتا ہے مگر خطبہ کا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

زیرِ نظر کتاب دراصل بعض منتخب خطبات کا مجموعہ ہے۔پچھلے تین سالوں سے خاکسار مسجدِ عمر آباد کا خطیب ہے ۔اس مجموعہ میں شامل تمام خطبات مسجدِ عمر آباد میں پیش کیے ہوے ہیں۔اس موقع پر میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں۔ پھر ذمہ دارانِ مسجد اور اہلِ عمر آباد کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے خطابت کی اس عظیم ذمہ داری کا مجھے اہل سمجھ کر قوم کی خدمت کا ایک موقع عنایت فرمایا۔

میں ذمہ دارانِ جامعہ کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی ہمت افزائی اور قدم قدم پر رہ نمائی مجھے حاصل رہی،اور جن کے مخلصانہ مشورے میرے لیے اس نازک سفر میں زادِ راہ اور نشانِ منزل کا کام دیتے رہے۔

مدیر ماہنامہ راہِ اعتدال مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی عمری حفظہ اللہ اور نائب مدیر رفیقِ محترم مولانا محمد رفیع کلوری عمری زید مجدہ کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے ان مضامین پر نظرِ ثانی کی اور ان کے نوک پلک درست کیے۔

استاذِ محترم مولانا حافظ حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری حفظہ اللہ کا میں احسان مند ہوں جن کی مشفقانہ حوصلہ افزائی اور مخلصانہ دعائیں میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔حسبِ سابق مولانا کا وقیع مقدمہ اس مجموعہ کی آبرو ہے۔

ان کے علاوہ میں اپنے والدین اور تمام اساتذۂ کرام کا ممنون ہوں جن کی تعلیم وتربیت سے میں کچھ لکھنے پڑھنے اور بولنے کے قابل ہوسکا۔ساتھ ہی اپنے تمام دوست احباب کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تیاری میں میرا ہر طرح سے تعاون فرمایا۔اللہ تعالیٰ تمام کی خدمات کو قبول فرمائے اور دونوں جہاں میں جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

حافظ محمد ابراہیم عمری

اخلاص کی اہمیت

اخلاص، تمام اعمال صالحہ کی روح ہے۔اس کے بغیر کوئی بھی عمل نہ صالح ہوسکتا ہے اور نہ قابلِ قبول۔حضرت ابوعبیدہ بن عقبہ فرماتے ہیں سلف صالحینؒ کا قول ہے: مَنْ سَرَّہُ اَنْ یَکْمُلَ لَہُ عَمَلُہُ فَلْیُحْسِنْ نِیَّتَہُ۔ ”جو شخص اپنے اعمال کا مکمل ثواب حاصل کرنا چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنی نیت میں اخلاص پیدا کرے۔“ (کتاب الزھد والرقائق لابن المبارک: باب فضل ذکر اللہ عزو جل)

قرآن مجید میں جگہ جگہ اخلاص کا رویہ اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُو اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآء۔ (البینۃ:5)۔”ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہ دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ کی بندگی کریں خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے یکسو ہو کر“۔۔۔۔۔سورۂ ملک میں زندگی اور موت کا مقصد ہی اخلاص عمل بتایا گیا ہے: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ (الملک:12) ”وہی ہے جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا تا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے“۔

صرف اعمال ہی نہیں بلکہ دین کے ہر معاملے میں اور پوری زندگی کو خالصۃً لوجہ اللہ گزارنے کا حکم دیا گیا۔جیسا کہ فرمایا گیا: اَ لَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِص (الزمر:3)۔”خالص بندگی صرف اللہ ہی کے لیے ہے“۔

سورۂ انعام میں رسول اکرم ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا: قُلْ اِنَّ صَلَا تِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (الانعام:162) ”آپ کہہ دیجیے: میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے“۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَایَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّامَا کَانَ خَالِصًا وَابْتُغِیَ بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ۔(صحیح الترغیب والترھیب: باب الترغیب فی الرباط فی سبیل اللہ: 1331)”اللہ

تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص ہو اور اسی کی رضا کے لیے کیا گیا ہو‘‘۔

اخلاص کی برکت سے اعمال کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو نصیحت کرتے ہوئے نبی اکرمﷺ نے فرمایا: اِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِيْ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا ازْدَدْتَّ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً ۔(بخاری:باب حجة الوداع:4409)’’یقیناً جو مہلت بھی تمھیں ملے اور اس کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ کی رضا کی خاطر جو عمل بھی تم کروگے، اس کے عوض تمھارے درجات اور بلندیوں میں اضافہ ہوگا‘‘۔

نیت اگر خالص ہو تو بسا اوقات عمل کیے بغیر بھی مومن اجر وثواب کا مستحق بن جاتا ہے، جیسا کہ آپﷺ فرماتے ہیں:مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ۔ (مسلم:باب اِذاهم العبد بحسنةأو بسيئة ... :354)’’جو شخص نیکی کا پختہ ارادہ کرلے مگر اس کو انجام نہ دے سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے‘‘۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر آپﷺ نے فرمایا: اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيْرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ۔قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ !وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ؟ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ . (بخاری: باب قول النبیﷺ:هذه طابة..:4423)’’تمھارے پیچھے مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمھارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں۔صحابہ کرام نے پوچھا: یہ کیوں کر ہوسکتا ہے جب کہ وہ مدینے میں ہیں؟ آپﷺ نے فرمایا: عذر نے انھیں وہاں روک رکھا ہے‘‘۔

اخلاص سے جہاں ثواب میں اضافہ ہوتا ہے وہیں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے انسان کے اعمال برباد ہوجاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا . (الفرقان:23)’’اور انھوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انھیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیا‘‘۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:’’ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اخلاص کی دولت سے محروم رہے یا وہ

جوسنت رسول کے مطابق نہیں تھے''۔

حضرت ابی بن کعبؓ کونصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: فَمَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ عَمَلَ الآخِرَةِ لِلدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ . (صحیح الجامع الصغیر:2825)''جوشخص اخروی اعمال کوحصول دنیا کا ذریعہ بنائے وہ آخرت میں اجر وثواب سے محروم رہے گا''۔۔۔یہی وجہ ہے کہ اسلاف کرام خلوص نیت اور اخلاصِ عمل پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔حضرت یحیٰ بن ابوکثیرؒ فرماتے ہیں: تَعَلَّمُوا النِّيَةَ فَإِنَّهَا أَبْلَغُ مِنَ الْعَمَلِ ۔''نیت کودرست کرو، کیوں کہ اس کی درستی عمل سے بہتر ہے''۔(الحلیۃ لأبی نعیم: ج۳/۲۰)

حضرت ابن مبارکؒ فرماتے ہیں: رُبَّ عَمَلٍ صَغِيرٍ تُعَظِّمُهُ النِّيَّةُ وَرُبَّ عَمَلٍ كَبِيرٍ تُصَغِّرُهُ النِّيَّةُ ۔''اخلاص کی بدولت بہت سے چھوٹے اعمال کی قدر ومنزلت بڑھ جاتی ہے،اس کے برعکس فسادِ نیت کی وجہ سے بڑے سے بڑے عمل کی حیثیت اللہ کے نزدیک کم ہوجاتی ہے''۔(قاموس معاجم حکم وأقوال)

حضرت سہل بن عبداللہؒ سے پوچھا گیا:نفس پرسب سے مشکل ترین چیز کون سی ہے؟ آپ نے جواب دیا:اخلاص۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک پوشیدہ راز ہے جس کو نہ کوئی فرشتہ معلوم کرسکتا ہے کہ اس کولکھ لے اور نہ شیطان کہ اس میں بگاڑ پیدا کرے''۔

حضرت عمرؓ دعا فرمایا کرتے تھے:اللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِي كُلَّهُ صَالِحًا وَاجْعَلْهُ لِوَجْهِكَ خَالِصًا وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِيهِ شَيْئًا . ''اے اللہ! میرے سارے اعمال کوصالح بنادے اور انھیں خالص تیری رضا کے حصول کا ذریعہ بنادے،تاکہ ان میں کسی کا کوئی حصہ نہ رہے۔

شریعت میں اخلاص کی جتنی اہمیت ہے اس کا حصول اتنا ہی مشکل ہے، کیوں کہ ریاونمود،شہرت اورنام وری، دنیاطلبی،خواہشات نفسانی اور وساوسِ شیطانی جیسے بے شمارمنفی جذبات اخلاص کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہتے ہیں۔

حضرت یوسف بن حسین رازیؒ فرماتے ہیں: ''اخلاص کا حصول دنیا کی دشوارترین چیزوں میں سے ہے۔ میں نے اپنے دل سے ریا کاری کوختم کرنے کی حد درجہ کوشش کی مگر وہ ہمیشہ کسی دوسری شکل میں ظاہر ہوتی رہی''۔

کتنے ہی عبادت گزار ڈھیر سارے اعمال لے کر دربار الٰہی میں پہنچیں گے مگر اخلاص کی دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال ان کے منہ پر ماردیے جائیں گے۔ صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کا سب سے پہلے ہوگا، ان میں وہ عالم، مجاہد اور مال دار بھی ہوں گے جنھوں نے دین کی خدمت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، مگر اخلاص سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کے یہ اعمال مردود قرار پائیں گے اور وہ جہنم کے مستحق ٹھہرائے جائیں گے'' (مسلم: باب من قاتل للریاء والسمعة استحق ... :5032) یہی وجہ ہے کہ اسلاف کرام ہمیشہ ریا کاری سے اجتناب کرتے اور اخلاص عمل کی فکر کیا کرتے تھے۔

حضرت جبیر بن نفیر نے حضرت ابوالدرداءؓ کو حالت نماز میں تشہد کے بعد کثرت سے نفاق سے پناہ مانگتے ہوے پایا۔ حضرت جبیر نے حیرت واستعجاب سے پوچھا: اے ابوالدرداء! آپ تو صحابی رسول ہیں، نفاق سے آپ کا کیا تعلق؟ ابوالدرداءؓ نے جواب دیا: ان باتوں کو چھوڑ دو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آدمی لمحوں میں اپنے دین سے پھر جاتا ہے''۔

حضرت ایوب سختیانیؒ جب کسی وعظ ونصیحت کی محفل میں ہوتے اور خوف خدا سے ان پر رقت طاری ہوتی تو محفل سے اٹھ جاتے کہ کہیں کوئی شخص انھیں روتے ہوے نہ دیکھ لے۔

حضرت ابن سیرینؒ کا حال یہ تھا کہ وہ ساری رات یادالٰہی میں آہ وزاری کرتے ہوے گزار دیتے مگر جب صبح ہوتی تو لوگوں کے درمیان ان کے چہرے پر شگفتگی ہوتی۔

حضرت مریۃ الربیعؒ فرماتی ہیں کہ حضرت ربیع بن خثیمؒ کے اخلاص کا یہ حال تھا کہ وہ ہر کام لوگوں کی نظروں سے بچ کر کیا کرتے تھے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ تلاوت کرتے رہتے، جب کسی آدمی کی آہٹ محسوس کرتے تو فوراً مصحف بند کر دیتے۔

حضرت ابوحمزہ الثمالیؒ فرماتے ہیں: علی بن حسینؒ رات کے اندھیرے میں اناج کا بوریا اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے اور مدینہ کی گلیوں میں گھوم پھر کر فقرا و مساکین میں تقسیم کرتے۔

حضرت عمرو بن ثابتؒ فرماتے ہیں کہ علی بن حسین کے انتقال کے بعد غسل دینے کے لیے جب ان کے جسم سے کپڑے اتارے گئے تو ان کی پیٹھ پر سیاہ نشانات دیکھے گئے۔ جاننے والوں نے بتایا کہ ان کا معمول تھا کہ وہ رات کی تاریکی میں آٹے کا تھیلا اپنی پیٹھ پر اٹھائے مدینہ کے فقرا اور غربا میں تقسیم کیا کرتے۔

مسلمہ بن عبدالملکؒ نے خالد بن صفوانؒ سے حسن بصریؒ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا: میں ان کا پڑوسی بھی ہوں اور ان کا ہم نشین بھی، اس لیے ان کے بارے میں مجھے دوسروں سے زیادہ علم ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: ان کا ظاہر، باطن کا آئینہ دار ہے، ان کا فعل ان کے قول کا ترجمان ہے، جب وہ لوگوں کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو سب سے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور جب کسی چیز سے روکتے ہیں تو سب سے پہلے خود باز آتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ ان کو لوگوں سے بے نیاز اور لوگوں کو ان کا محتاج پایا ہے۔ مسلمہؒ نے کہا: وہ قوم ہلاک نہیں ہوسکتی جس میں ایسی خوبیوں والا شخص موجود ہو۔

محمد بن عیسیٰؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ طرسوس بہت زیادہ آیا کرتے تھے۔ جب وہ مقام رِقہّ پہنچتے تو ایک سرائے میں قیام کرتے، وہاں آپ کی خدمت کے لیے ایک نوجوان ہمیشہ موجود رہتا جو خدمت کے ساتھ ساتھ علم بھی حاصل کیا کرتا تھا۔ محمد بن عیسیٰؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارکؒ جب مقام رقہ پہنچے تو اس نوجوان کو نہیں پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ قرض کی عدم ادائی کی وجہ سے قید میں ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے اس کے قرض کی مقدار پوچھی تو لوگوں نے دس ہزار درہم بتایا۔ آپ نے قرض خواہ کا پتا معلوم کیا۔ رات کے وقت اس کو اپنے پاس بلا کر دس ہزار درہم عطا کیے اور اس سے قسم لی کہ میرے جیتے جی کسی سے اس واقعے کا تذکرہ نہ کرنا۔

یہ تھے اخلاص کے عملی پیکر۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ان کے اسی

مخلصانہ کردار کی وجہ سے ان کی زبان میں ایسی تاثیر پائی جاتی تھی جس سے بڑے سے بڑے سرکش انسان کی زندگی بدل جاتی تھی۔ کسی نے حضرت حمدون بن احمدؒ سے پوچھا: کیابات ہے کہ سلف کی باتوں جوتاثیر پائی جاتی تھی وہ ہم میں نہیں ہے؟ آپؒ نے فرمایا: اسلاف کرامؒ کے پیش نظر اسلام کی سربلندی، رب کی خوش نودی اور آخرت میں جہنم سے نجات ہوتی تھی مگر آج ہمارا مطمح نظر دنیا طلبی، لوگوں کی خوش نودی اور نفس کی پرستی ہے۔

دورحاضر میں دینی کام کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ بے شمار جماعتیں، جمعیتیں، تحریکیں، تنظیمیں اور ادارے دین وملت کی خدمت میں لگے ہوے ہیں اور مختلف طریقوں سے اور نت نئے انداز سے کام کررہے ہیں، مگر یہ ساری کوششیں جیسے ثمر آور ہونا ہے، نہیں ہورہی ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ اخلاص کی کمی ہے۔ اگر ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کریں تو ہمارے کاموں میں برکت بھی ہوگی اور اس کے اچھے نتائج بھی دیکھنے کو ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاصِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۞ ۞ ۞

فکرِ آخرت

یہ دنیا انسان کا عارضی ٹھکانا ہے۔موت کے بعد کی زندگی ہی حقیقی، ابدی اور دائمی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔یہ دنیا حقیقت میں موت کے بعد والی زندگی کی تیاری کا ایک وقفہ ہے، گویا یہ دارالامتحان اور آخرت دارالجزا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (آل عمران:185)''اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے پاؤ گے''۔

سورۂ زلزال میں فرمایا گیا: فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَه.وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ (7,8)''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا''۔

عقل مند انسان وہ ہے، جو اس دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرے۔سورۂ حشر میں ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ . (الحشر:18)''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ رکھ چھوڑا ہے، اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تعالیٰ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے''۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:اِرْتَحَلَتِ الدُّنْيَامُدْبِرَةً وَارْتَحَلَتِ الْآخِرَةُ مُقْبِلَةً فَلِكُلٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوْامِنْ اَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَلَاتَكُوْنُوْامِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَافَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَاحِسَابٌ وَغَدًاحِسَابٌ وَلَاعَمَلٌ ۔(بخاری،معلقا:باب فی العمل وطوله: 6417)''دنیا گزرتی چلی جارہی ہے اور آخرت قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے۔ہر ایک کے کچھ طلب گار اور پرستار ہیں۔تم آخرت کے طلب گار بنو، دنیا کے پرستار نہ بنو، کیوں کہ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے، یہاں محاسبہ نہیں ہوگا اور آخرت حساب کتاب کی جگہ ہے، وہاں عمل کا موقع نہیں رہے گا''۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس قدر پر کشش اور خوب صورت بنایا ہے کہ انسان اس کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں کھو کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ دنیا کی یہ چمک دمک آزمائش کا سامان ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا: إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا. (الکہف:7) ''روے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی رونق کا باعث بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمالیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے''۔

انسان کو اس غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں مختلف مثالوں کے ذریعے دنیا کی بے ثباتی اور اس کے مقابلے میں آخرت کی پائیداری کو واضح کیا گیا۔ بطور نمونہ چند حدیثیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں :

1۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال پانی کے اس معمولی قطرے کی سی ہے جو تم میں سے کسی کے انگلی پر لگ جاتا ہے جب وہ اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے ،غور کرے کہ اس کی انگلی میں کتنا پانی لگا ہوا ہے''۔ (مسلم: باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامة:7376)

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے سمندر کی وسعتوں کو آخرت کی نعمتوں سے اور دنیا میں حاصل ہونے والی چیزوں کو سمندر کے ایک معمولی سے قطرے سے تشبیہ دی ہے۔

2۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لَمَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۔ (الترغیب والترهیب : كتاب صفة الجنة: 3767) ''جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ زمین اور آسمان میں پائی جانے والی تمام نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے''۔

3۔ دنیا کا سب سے بڑا گناہ گار جس کو سب سے آخر میں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، جس کا درجہ جنت میں سب سے کم تر ہوگا، اسے جنت میں جو جگہ ملے گی، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا. ''کہ تم کو اس دنیا سے دس گنا زیادہ بڑی سلطنت عطا ہوگی''۔ (مسلم: باب آخر أهل النار خروجا:479)

4۔دنیا کے سب سے زیادہ عیش پسند انسان کو قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا جس کا جہنم میں جانا طے ہوگا،اسے جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور پوچھا جائے گا:يَـــاابْـنَ آدَمَ !هَـلْ رَأيْـتَ خَيْـرًاقَـطُّ.هَـلْ مَـرَّبِكَ نَعِيمٌ قَطُّ ۔ ''اے ابن آدم!کیا تو نے کبھی عیش اور آرام کی زندگی گزاری ہے؟''۔وہ کہے گا:لَا،وَاللّٰهِ!يَارَبِّ۔''نہیں،اللہ کی قسم! اے میرے رب میں نے کبھی عیش کی زندگی نہیں گزاری''۔پھر ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کا جنت میں جانا طے ہوگا،جو دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف کی زندگی بسر کیا ہوگا،اس کو جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا:هَلْ رَأيْـتَ بُـؤْسًـا قَـطُّ،هَـلْ مَـرَّبِكَ شِدَّةٌ قَطُّ۔''کیا تم نے کبھی رنج وغم اور تکلیف والم کی زندگی بسر کی ہے؟وہ کہے گا:لَاوَالـــلّٰــــهِ يَـــارَبِّ!نہیں،اللہ کی قسم!میں نے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں دیکھی۔ (مسلم:باب صبغ أنعم أهل الدنيافي النار:7266)

یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں ساٹھ ستر سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد جب انسان آخرت اور وہاں کی ہولناکیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا تو اسے ایسا محسوس ہوگا گویا کہ وہ دنیا میں لمحہ دو لمحے گزار کر آیا ہے۔سورۂ نازعات میں فرمایا گیا:كَـأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا.(46)''جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی دنیا میں رہے ہیں''۔

دنیا کے پرستار :دنیا کی اس بے ثباتی کے باوجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں،قرآن مجید میں ایسے چار گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

1)**کافر اور مشرک** : سورۂ ابراہیم میں کفار ومشرکین کے بارے میں فرمایا گیا: وَوَيْلٌ لِّـلْـكَـافِـرِيْـنَ مِـنْ عَـذَابٍ شَدِيْدٍ.الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الآخِرَةِ.(2,3)''اور کافروں کے لیے تو سخت عذاب کی خرابی ہے،جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں''

۔

2) **یہود** : سورۂ بقرہ میں یہودیوں کی نافرمانیوں اور مکاریوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا

:أُولَـــئِكَ الَّـذِيْـنَ اشْتَـرَوُاْ الْـحَيَـاةَ الـدُّنْيَـا بِـالآخِـرَةِ فَلاَ يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلاَ هُمْ يُـنـصَـرُونَ. (86)''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی''۔

3) **منافق** : جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، حقیقت میں کافروں کا ساتھ نبھاتے ہیں:أُولَـــئِكَ الَّـذِيْنَ اشْتَرُوُاْ الضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى. (البقرہ:16)''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گم راہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا''۔

4)۔ **مرتد**: جو ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے کے بعد کفر کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ سورۂ نحل میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا:مَن كَفَرَ بِاللّهِ مِن بَعْدِ إيْمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُـطْـمَـئِـنٌّ بِـالإِيْـمَـانِ وَلَـكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْراً فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْم. ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّواْ الْحَيَاةَ الْدُّنْيَا عَلَى الآخِرَةِ. (106,107)''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا''۔

اہل ایمان کو ذرا ذرا سی لغزش پر تنبیہ کی گئی اور آخرت سے غفلت برتنے پر آگاہ کیا گیا۔ بدر کے قیدیوں کو (قتل کرنے کی بجائے) جب فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: تُـرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيْدُ الْآخِرَةَ۔ (الانفال:67)''تم دنیا کے مال کو چاہتے ہو اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت کی فکر ہو''۔

جنگِ احد میں جو نقصان اٹھانا پڑا اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: مِنكُم مَّن يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُّرِيْدُ الْآخِرَةَ. (152)''تم میں سے بعض دنیا کے طلب گار تھے اور بعض آخرت کے طلب گار تھے''۔

جہاد کے میدان میں جب مسلمانوں نے سستی دکھائی تو فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَا لَكُمْ

إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ. (التوبہ:38)''اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین کو پکڑ لیتے ہو، کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر ہی ریجھ گئے ہو؟ سنو! دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یوں ہی سی ہے''۔

فکر آخرت کے چند اسباب : اپنے اندر آخرت کی فکر پیدا کرنے اور عملی زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے ضروری ہے کہ ایک شعوری زندگی بسر کی جائے۔ زندگی اور اس کی تمام مصروفیات کا مقصد آخرت میں سرخ روئی اور کامیابی ہو، یہی وہ چیز ہے جو انسان کو اس دنیا میں سنبھل کر زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ دوپہر کے وقت جب کہ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، میری نظر ایک شخص پر پڑی جو حیران اور پریشان عرب کی چلچلاتی دھوپ میں تنہا دوڑے جا رہا ہے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ امیر المومنین عمرؓ بن خطاب ہیں۔ میں نے آواز دی اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ امیر المومنینؓ نے جواب دیا: بَعِيرٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ قَدْ نَدَّ وَأَخْشَىٰ عَلَيْهِ الضِّيَاعَ وَأَخْشَىٰ أَنْ أُسْأَلَ عَنْهُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ''بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے، میں اس کی تلاش میں نکلا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائے، اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس نہ کی جائے''۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ آؤ، کچھ دیر بیٹھو! کچھ سکون کا سانس لو، اس گرمی میں اس قدر زحمت کیوں اٹھا رہے ہو، اپنے کسی خادم کو بھیج دیے ہوتے؟ حضرت عمرؓ نے عثمانؓ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور فرمایا: أَأَنْتَ سَتَحْمِلُ عَنِّيْ وِزْرِيْ أَمَامَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ''کیا تم قیامت کے دن اللہ کے دربار میں میرا بوجھ اٹھاؤ گے؟''۔ یہ تھا آخرت میں جواب دہی کا احساس جس نے عمرؓ کو سخت گرمی کے باوجود گھر سے نکلنے اور اپنے فریضے کو انجام دینے پر مجبور کیا تھا۔ (دروس للشيخ محمد حسان : باب الناس جميعا يبحثون عن السعادة)

حضرت ابوہریرہؓ کی موت کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔لوگوں نے پوچھا:ابوہریرہؓ! کیا دنیا سے جدائی کا غم ہے؟ فرمانے لگے:اَمَا اِنِّیُ لَاَبْکِیُ عَلیٰ دُنُیَاکُمُ هٰذِهٖ.وَلٰكِنُ اَبْكِیُ عَلیٰ بُعُدِسَفُرِیُ وَقِلَّةِ زَادِیُ.وَاِنِّیُ اَمُسَیُتُ فِیُ صُعُوُدٍ مُهُبِطَةٍ عَلیٰ جَنَّةٍ وَنَارٍ لَاَادُرِیُ عَلیٰ اَیِّتِهِمَایُؤُخَذُنِیُ. (شعب الایمان للبیهقی)''مجھے دنیا سے رخصت ہونے کا غم نہیں بلکہ مجھے اس بات کا غم ہے کہ آخرت کا سفر طویل ہے اور زادِ سفر مختصر، میں نے ایک ایسے ٹیلے پر شام کی ہے جس کے آگے یا تو جنت ہے یا جہنم،اور مجھے نہیں معلوم کہ میری منزل کون سی ہے''۔

2۔دنیوی واقعات سے عبرت پذیری : یہ دنیا عبرت کی جا ہے۔یہاں دن رات ایسے واقعات اور حادثات پیش آتے رہتے ہیں جو انسان کو عبرت کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔سورۂ شعراء میں اقوام سابقہ کی ہلاکت اور تباہی کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے اور ہر واقعہ کے بعد فرمایا گیا: إِنَّ فِیُ ذٰلِكَ لَآیَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِیْنَ. (8)''بے شک اس میں نشانی ہے ،اوران میں سے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں''۔

اس دنیا میں موت وحیات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے،جس کو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہتا ہے۔یہ خود انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کافی ہے ۔حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے، قبرستان پہنچنے کے بعد آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور زاروقطار رونے لگے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی۔پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: یَااِخُوَانِیُ! لِمِثُلِ هٰذَا فَاَعِدُّوُا۔ (ابن ماجہ:کتاب الزهد:4335)''بھائیو!اس وقت کے لیے تیاری کرلو''۔

حضرت عثمانؓ کا گزر جب بھی کسی قبر پر سے ہوتا تو زاروقطار روتے ۔سبب پوچھنے پر آپؓ نے فرمایا: میں نے رسول اکرم ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا ہے : اِنَّ الْقَبَرَ اَوَّلُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَاِنُ نَجَا مِنُهُ فَمَا بَعُدَهُ اَیُسَرُمِنُهُ وَاِنُ لَمُ یَنُجُ مِنُهُ فَمَابَعُدَهُ اَشَدُّ مِنُهُ ۔قَالَ وَقَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ ﷺ مَارَاَیُتُ مَنُظَرًا قَطُّ اِلَّاالْقَبُرُ اَفُظَعُ مِنُهُ ۔(ابن ماجہ:باب ذکرالقبروالبلی :4408)''قبر آخرت کی پہلی

منزل ہے جو اس منزل میں کامیاب ہو گیا، اس کے بعد کے تمام مراحل اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں اور جو اس میں ناکام ہوا، بعد کے مراحل اس کے لیے اور بھی زیادہ دشوار ہو جاتے ہیں''۔ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی میں نے سنا ہے: ''میں نے قبر سے زیادہ خوف ناک کوئی منظر نہیں دیکھا''۔

3۔ صبح وشام کی دعاءوں کا اہتمام: صبح سے لے کر شام تک مختلف اوقات کی دعائیں رسول اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ اگر کوئی مسلمان شعوری طور پر ان دعاؤں کا اہتمام کرے تو یقیناً اس کے اندر آخرت طلبی کی کیفیت پیدا ہوگی۔ صبح سویرے جب ایک مومن بیدار ہوتا ہے تو اسے یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی گئی :اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَمَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ. (بخاری :باب مایقول اذ أصبح :6324) ''اللہ کا احسان ہے جس نے ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی ،اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

اور جب وہ سونے کے لیے بستر پر جاتا ہے تو یہ دعا پڑھتا ہے: اللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا۔ (بخاری:باب وضع الیدالیمنی تحت الخد الأیمن: 6314) ''اے میرے رب! میں تیرا نام لے کر سوتا ہوں اور تیرا نام لے کر بیدار ہوتا ہوں''۔ ان کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت اور رسول ﷺ، اصحابِؓ رسول اور اسلاف کرامؒ کی زاہدانہ زندگی کا مطالعہ بھی آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❄❄❄

دور پرفتن اور مسلمان

موجودہ دور بڑا پُر آشوب دور ہے۔ ہر طرف فتنہ وفساد، قتل وغارت گری اور دہشت ووحشت کی فضا عام ہے۔ خواہشات ونفس پرستی، حرص وہوس اور اس عارضی دنیا کے حصول میں انسانوں کی مقابلہ آرائی اپنے کمال کو پہنچ چکی ہے۔ ایک طرف مسلمان اپنی نجی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جارہا ہے ،فکرِ آخرت سے دل خالی ہوتے جارہے ہیں، عبادتوں میں خلوص وللّٰہیت ،خوف وخشیت اور خشوع وخضوع کی وہ کیفیت کم ہوتے جارہی ہے جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے تو دوسری طرف آج ساری دنیا اسلام اور مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنائے ہوے ہے۔

ہر جگہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جارہا ہے۔ ہماری اس حالت کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: يُوشِكُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلىٰ قَصْعَتِهَا. ’’ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ ساری قومیں تم پر اسی طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح دسترخوان پر بھوکے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ ؟ کیا اس وقت ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! تمھاری تعداد تو زیادہ ہوگی مگر تمھاری حیثیت اس وقت سمندر کی جھاگ کی طرح ہوگی۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں ’’وھن‘‘ لگ جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یہ ’’وھن‘‘ کیا چیز ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ. ”دنیا کی محبت اور موت سے نفرت‘‘۔ (ابوداؤد: باب فی تداعی الأمم علی الإسلام: 4299)

رسول اکرم ﷺ نے وحی کی روشنی میں اپنی امت کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات کے بارے میں خبر دی تھی، جیسا کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمًا، فَمَا تَرَكَ

شَيْئًا يَكُوْنُ فِيْ مَقَامِهِ ذٰلِكَ اِلٰىٰ قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَهُ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ. (مسلم: باب اِخبار النبی ﷺ فیمایکون الی قیام الساعة: 7445) ''رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اس وقت سے لے کر قیامت تک پیش آنے والے سارے حادثات کی آپ نے خبر دی۔ یاد رکھنے والوں نے اس کو یاد رکھا اور بھولنے والے بھول گئے''۔

آپ ﷺ نے جن عبرتناک واقعات کی خبر دی تھی آج ان کا ظہور بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کو متنبہ فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں فتنے وفسادات کثرت سے ہوں گے ،بدکاریاں عام ہوں گی اور بداعمالیاں امت کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔ حضرت عمرؓ نے ان فتنوں کے بارے میں فرمایا: اَلَّتِیْ تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ. (مسلم: باب فی الفتنةالتی تموج کموج البحر: 7450) ''فتنے سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتے رہیں گے''۔

رسول اکرم ﷺ نے مختلف مواقع پر قیامت کی چھوٹی بڑی بہت سی علامتوں کا ذکر فرمایا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

1۔ آپ ﷺ نے فرمایا: يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ (بخاری: باب حسن الخلق والسخاء ومایکره من البخل...: 6037) ''زمانہ تیزی سے گزرنے لگے گا، عمل ناپید ہوتا جائے گا، انسان حرص وہوس میں مبتلا ہوگا اور قتل اور غارت گری عام ہوگی۔

2۔ حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ يُصَدَّقُ فِيْهَا الْكَاذِبُ وَيُكَذَّبُ فِيْهَا الصَّادِقُ وَيُؤْتَمَنُ فِيْهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيْهَا الْاَمِيْنُ وَيَنْطِقُ فِيْهَا الرُّوَيْضِبَةُ ۔ (ابن ماجہ: باب شدة الزمان: 4172) ''لوگوں پر ایسا سنگین دور بھی آئے گا کہ جھوٹوں کی تصدیق کی جائے گی اور سچوں کو جھٹلایا جائے گا، خیانت کرنے والوں کو امانت

دار اور امانت داروں کو خائن سمجھا جائے گا اور معمولی حیثیت کے لوگ بڑی بڑی باتیں کرنے لگیں گے''۔

3۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں اگر ان سے تمھیں آزمایا جائے (تو اللہ ہی تمھارا محافظ ہے) میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمھیں ان سے بچائے (پانچویں چیز آپ نے یہ بیان فرمائی) وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَاللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُوْلِهِ اِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَاَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَمَا لَمْ تَحْكُمْ اَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَتَخَيَّرُوْا مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ .(ابن ماجہ: كتاب الفتن: 4155)''جب لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کو مسلط کر دے گا، وہ ان کی املاک اور جائیداد پر ناجائز قبضہ کرلیں گے اور جب علماء اور حکمراں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کی بجائے اپنی پسند کے مطابق آیات قرآنی کا انتخاب کرنے لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان شدید اختلاف پیدا کردے گا''۔

4۔حضرت زینب بنتِ جحشؓ کہتی ہیں:''خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَوْمًا فَزِعًا مُحْمَرًّا وَجْهُهُ يَقُوْلُ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ ،وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ دَرْمِ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مِثْلَ هٰذِهِ ، وَحَلَقَ بِاِصْبَعَيْهِ الْاِبْهَامِ وَالَّتِيْ تَلِيْهَا،قَالَتْ فَقُلْتُ ،اَ نَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ۔قَالَ: نَعَمْ،اِذَاكَثُرَ الْخَبَثُ۔(مسلم كتاب الفتن واشراط الساعة :7416)''رسول اکرم ﷺ ایک دن باہر نکلے ،آپ گھبرائے ہوئے تھے، چہرہ سرخ تھا،آپ ﷺ فرما رہے تھے:'' لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ ''۔عربوں کی بربادی کا وقت قریب آچکا ہے۔آپ نے دوانگلیوں (انگھوٹھے اور شہادت کی انگلی) سے حلقہ بنا کر فرمایا کہ یاجوج اور ماجوج کی دیوار اتنی کھل گئی۔حضرت زینبؓ نے پوچھا: ہمارے درمیان نیک لوگوں کی موجودگی کے باوجود ہمیں ہلاک کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر برائیاں زیادہ ہوجائیں تو ہلاکت لازمی ہے''۔اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا: وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

مِنكُمْ خَآصَّةً۔ (الانفال:25)''اس آزمائش اور فتنہ سے بچو، جو تم میں سے صرف مجرموں کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا''۔

فتنوں کے وقت انسان کی حالت: ان فتنوں کو دیکھ کر عقل مندوں کی عقل بھی جواب دے جائے گی۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اَلصَّابِرُ فِيهِمْ عَلىٰ دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمَرِ ۔(ترمذی: کتاب الفتن:2428)''اس وقت دین پر قائم رہنا آگ کے شعلے کو اپنے ہاتھ میں پکڑنے سے زیادہ مشکل ہوجائے گا''۔ حالات اتنے سنگین ہوں گے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرَجِ كَالْهِجْرَةِ إِلَيَّ .(ترمذی:باب الهرج والعبادة فيه :2361)''ایسے فتنوں کے موقع پر عبادت کر نا (اجروثواب کے اعتبار سے)میری طرف ہجرت کرنے کے برابر ہے''۔مصائب ومشکلات سے پریشان ہوکر آدمی قبر کے پاس کھڑے ہوکر کہے گا: يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هٰذَاالْقَبَرِ۔ (ابن ماجہ: کتاب الفتن :4173)''اے کاش! اس کی بجائے میں اس قبر میں مدفون ہوتا''۔اس وقت دین نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔کم زوردل انسان ان فتنوں سے گھبرا کر اپنے دین سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔رسول ﷺ کا ارشادگرامی ہے: يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا وَّيُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَّيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهُ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا.(ترمذی:باب ستكون الفتن كقطع الليل المظلم :2355)''صبح کا مومن شام ہوتے ہوتے کفر کی زندگی اختیار کرلے گا اور جو شام کے وقت مومن ہوگا وہ صبح ہوتے ہوتے کفر کی زندگی اختیار کرلے گا۔دنیا کی حقیر پونجی کے بدلے اپنے دین کو بیچ دے گا''۔

ایسے ہی لوگ قیامت کے دن جب رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں حوض کوثر پر پانی پینے کے لیے آئیں گے تو پیچھے سے فرشتے ان کو روک لیں گے اور رسول ﷺ سے کہیں گے: لَاتَدْرِيْ مَشَوْا عَلَى الْقَهْقَرىٰ ۔(بخاری:باب ماجاء فی قول الله :واتقوا...:7048)آپ نہیں جانتے، یہ لوگ آپ کے بعد دین کو ترک کر چکے تھے''۔

اسی دورِ پُرفتن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: حَتّٰى يَصِيْرَالنَّاسُ اِلىٰ

فُسْطَاطَیْنِ. فُسْطَاطُ اِیْمَانٍ لَانِفَاقَ فِیْهُ وَفُسْطَاطُ نِفَاقٍ لَا اِیْمَانَ فِیْهِ فَاِذَا کَانَ ذَاکُمْ فَانْتَظِرُوا الدَّجَالَ مِنْ یَوْمِهٖ اَوْمِنْ غَدِهٖ۔ (ابوداؤد: باب ذکر الفتن و دلائلها :4244)" اس وقت لوگ دو جماعتوں میں منقسم ہو جائیں گے، ایک جماعت ان مومنین کی ہوگی جن کی زندگی نفاق کی آلودگیوں سے پاک ہوگی۔ دوسری جماعت ان منافقین کی ہوگی جن کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ جب مسلمان اس حالت کو پہنچ جائیں تو اسی دن یا دوسرے دن خروج دجال کا انتظار کرو'۔

ان احادیث کی روشنی میں ہم موجودہ دور کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ کیا یہ احادیث ہمارے اس دور پر صادق نہیں آتیں؟ اگر صادق آتی ہیں تو ہمیں سوچنا ہوگا کہ ان حالات میں ایک مسلمان کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ اور ان مصائب و مشکلات سے نجات کیسے حاصل کی جائے؟ اس سلسلے میں قرآن وحدیث میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

1۔سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ایک مومن کو اس بات پر یقین کامل ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ، وہ رب العالمین کی مشیت اور ارادہ سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ۔ (الأنعام:59)" اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں'۔

2۔اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھتے ہوئے آزمائشی حالات میں صبر کیا جائے۔ حضرت زبیر بن عدیؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس بن مالکؓ سے حجاج بن یوسف کے مظالم کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا: اِصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَایَأْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ اِلَّاوَالَّذِیْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰی تَلْقَوْا رَبَّکُمْ سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِیِّکُمْ ۔(بخاری: کتاب الفتن: 7068)" صبر سے کام لو، کیوں کہ اس کے بعد تم پر جو بھی زمانہ آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو گے۔ یہ بات میں نے

تمھارے نبی سے سنی ہے''۔

جذبات میں آ کر ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جو فائدے کی بجائے نقصان کا باعث بنے۔حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَایَنبَغِیُ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ یُذِلَّ نَفْسَهُ ۔ قَالُوا: وَكَیفَ یُذِلُّ نَفْسَهُ ۔قَالَ :یَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَالَا یُطِیقُهُ ۔(ابن ماجہ: كتاب الفتن :4152)''کسی مومن کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ کوئی اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایسے مصائب کا سامنا کرنے کی کوشش کرے گا جن کو برداشت کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا''۔

3۔ان فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کی جائے ۔اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ ۔(نسائی: الإستعاذة من غلبة العدو: 5504)''اے اللہ! میں قرض کے بوجھ سے، دشمن کے غلبے سے اور مخالفین کی طعن و تشنیع سے تیری پناہ میں آتا ہوں''۔

4۔فتنوں کے وقت اپنی زبان کو بھی قابو میں رکھا جائے۔رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو یہ نصیحت فرمائی: أَمْسِكُ عَلَیْكَ لِسَانَكَ ۔(ترمذی: باب ما جاء فی حفظ اللسان: 2586) ''ایسے موقعوں پر اپنی زبان کو قابو میں رکھو''۔

5۔بلا تحقیق کوئی خبر نہ پھیلائی جائے بلکہ اس کی تحقیق کر لی جائے۔اچھی خبروں سے انسان خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے اور بری خبروں سے خوف و ہراس اور بزدلی کا شکار ہو جاتا ہے۔یہ دونوں صورتیں اس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔اسی لیے اسے فعل مذموم قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا: وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔(النساء:83)''اور جب ان لوگوں کے پاس امن کی یا خوف کی کوئی خبر پہنچ جاتی ہے تو یہ (فوراً) اسے لوگوں میں پھیلانے لگتے ہیں۔اگر یہ اسے (لوگوں میں پھیلانے کی بجائے) اللہ کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو ان میں حکم و اختیار والے ہیں پیش

کرتے تو جو(علم ونظر والے)بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں، وہ اس کی حقیقت معلوم کرلیتے (اور عوام میں تشویش نہ پھیلتی)''۔

6۔اپنی اصلاح کی طرف توجہ دی جائے: ہم پر یہ جو زیادتیاں ہورہی ہیں، ان میں خود ہماری بداعمالیوں کا بہت بڑا دخل ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ۔ (الشوریٰ:30)''اور جو بھی مصیبتیں تم کو پہنچ رہی ہیں، وہ تمھارے ہی اعمالِ بد کا نتیجہ ہیں''۔

قرآن مجید نے اس صورت حال کا حل یہ بتایا ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (آل عمران:120)''اگر تم صبر سے کام لو اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو تو تمھارے مخالفین کی مکاری تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتی''۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۔ (المائدہ:105)''مسلمانو! یاد رکھو، تم پر فقط تمھارے نفسوں کی ذمہ داری ہے۔اگر تم سیدھے راستے پر قائم رہو تو گم راہ لوگ تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے''۔

7۔اسلام کی حقیقت کو واضح کی جائے: رسول اکرم ﷺ نے قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بتائی ہے: اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ لَايُغَيِّرُوْنَهُ أَوْشَكَ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهِ ۔(ابن ماجہ: كتاب الفتن:4140)''جب لوگ برائیوں کو دیکھ کر اس کی اصلاح کی کوشش نہ کریں تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان پر اپنے عذاب کو عام کردے''۔

ایک اور حدیث ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ ،قَالُوْا :مَنْ هُمْ؟يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!قَالَ :اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ اِذَا فَسَدَ النَّاسُ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ:1272)''اسلام کا آغاز کس مپرسی کی حالت میں ہوا اور ایک دن پھر وہ اپنی پرانی حالت پر لوٹ آئے گا''۔''غرباء'' کے لیے خوش خبری ہے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا:''غرباء'' سے مراد کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو فتنہ وفساد کے وقت بھی لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں اسلام سے مسلمانوں کی دوری اور دشمنانِ اسلام کے غلط پروپیگنڈے نے اسلام کے چہرے کو مسخ کر دیا ہے۔مخالفین ومعاندین کی اکثریت اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (الروم:30)''یہ مضبوط دین ہے،لیکن اکثر لوگ اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں''۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔جب اسلام کا صحیح تعارف عام ہوگا تو غلط فہمیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی،نیز اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں برادرانِ وطن کے دلوں میں نرمی پیدا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اِس دورِ پُرفتن میں ہمارے ایمان کو سلامت رکھے اور کتاب وسنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

انسان کی زندگی ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ اس کی زندگی میں مختلف رنگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ کبھی خوشی اور مسرت کے سنہرے لمحات اس کا استقبال کرتے ہیں تو کبھی مصائب ومشکلات کی گھڑیاں اس کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے اکثر انسان کسی نہ کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔ جب بھی کوئی تکلیف اور پریشانی لاحق ہوتی ہے تو انسان اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے مادی اور دنیوی اسباب تلاش کرنے لگتا ہے، مگر کچھ مصائب اور مشکلات ایسے بھی ہیں جن میں مادی اسباب کچھ کام نہیں آتے۔ ایسے وقت میں روحانی اسباب ہی انسان کا حقیقی سہارا بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں معبودانِ باطلہ کے پجاری بھی جب کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاتے تو ان کم زور سہاروں کو چھوڑ کر معبودِ حقیقی کے آگے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد الٰہی ہے: وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُاللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (لقمان:32) ''اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نہایت) خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں''۔

یہاں پر مصائب ومشکلات کو دور کرنے کے چند اہم دینی ذرائع کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۞ **دعا**: مصائب ومشکلات کو دور کرنے کا سب سے پہلا ذریعہ دعا ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے بے شمار دعائیں ثابت ہیں، جنھیں آپؐ پریشانی کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: كَانَ اِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ قَالَ: يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ (ترمذی: باب قول النبی یاحیی یاقیوم.: 3866) رسول اللہ ﷺ کو جب کبھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو یہ دعا پڑھتے: يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ ''اے زندہ اور قائم رہنے والے (پروردگار!) میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں''۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ اِذْ دَعَا وَھُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ" لَااِلٰہَ اِلَّااَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"۔ اِنَّہُ لَمْ یَدْعُ بِھَا مُسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰہُ لَہُ بِھَا ۔ (ترمذی: کتاب الدعوات :3845)

''حضرت یونسؑ کی یہ دعا جو انھوں نے اس وقت کی تھی جب کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے: ''(الٰہی!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں ہو گیا''۔ جو بھی مسلمان اپنی کسی مصیبت میں پڑھے گا اللہ اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے مصیبت سے نجات دے گا''۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوے سنا: ''جس شخص کو کوئی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن اَللّٰھُمَّ اجُرْنِیْ فِی مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًامِّنْھَا (جس کا معنی یہ ہے: ہم بیشک اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اے اللہ! اس مصیبت میں میری مدد فرما اور اس سے بہتر بدلا عطا فرما) تو اللہ تعالی اس مصیبت میں اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کو بہتر بدلے سے نوازتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: جب میرے شوہر کا انتقال ہو گیا تو میں (اپنے دل میں) کہنے لگی: ابو سلمہؓ سے بہتر رفیق حیات کون ہو سکتا ہے جنھیں صحابیِ رسول ہونے اور سب سے پہلے (مدینہ کی طرف) ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہے، مگر اللہ تعالی نے میرے دل کو قرار عطا کیا، میں یہ دعا پڑھتی رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرے لیے ابو سلمہؓ سے بہتر رفیق حیات کا انتظام کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کا پیغام بھیجا''۔ (مسلم: کتاب الجنائز:2166)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد زبیر بن العوامؓ کو جنگِ جمل کے موقع پر اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تو فرمایا: مجھے سب سے زیادہ میرے قرض کی فکر لاحق ہے، آپ کو میری یہ وصیت ہے کہ اگر میرا انتقال ہو جائے تو سب سے پہلے میرا قرض ادا کر دو، پھر انھوں نے فرمایا: یَابُنَیَّ اِنْ عَجَزْتَ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ فَاسْتَعِنْ عَلَیْہِ مَوْلَایَ ۔'' بیٹے! اگر تمھیں قرض کی ادائی کے سلسلے مں کوئی پریشانی لاحق ہو تو میرے آقا سے مدد طلب کرو''۔ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ نہیں پایا کہ آقا سے کون

مراد ہے؟اس لیے میں نے دریافت کیا کہ آپ کا آقا کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا پروردگار ہی میرا آقا ہے۔ابن زبیرؓ کہتے ہیں: فَوَاللّٰهِ !مَاوَقَعْتُ فِیْ کُرْبَةٍ مِّنْ دَیْنِهٖ إِلَّا قُلْتُ یَامَوْلَی الزُّبَیْرِ اِقْضِ عَنْهُ دَیْنَهٗ فَیَقْضِیْهِ. ''اللہ کی قسم !جب بھی مجھے اپنے والد کے قرض کی ادائی میں کوئی پریشانی لاحق ہوی تو میں نے یہ دعا کی: ''اے زبیر کے آقا! تو زبیر کے قرض کی ادائی کا سامان کردے'' تو اللہ تعالی ان کے قرض کی ادائی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کردیتا''۔(بخاری: کتاب فرض الخمس: 3129)

حجاج بن یوسف عہد عباسی کا بڑا ہی ظالم اور جابر گورنر گزرا ہے۔سینکڑوں علماء کو اس نے ناحق قتل کیا۔ایک مرتبہ مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ کو بھی قتل کے ارادے سے اپنے دربار میں طلب کیا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے یقین ہوگیا کہ حجاج بن یوسف میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو میں نے یہ دعا پڑھتے ہوے اس کے دربار کا رخ کیا: لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ ۔سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ ''اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں۔ وہ بڑا ہی بردبار اور بزرگی والا ہے،اللہ کی پاکی ہے،بابرکت ہے وہ ذات جو عرشِ عظیم کا رب ہے،تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے''۔جب میں حجاج کے دربار میں پہنچا تو کہنے لگا: ''قسم بخدا! میں نے تمھیں اسی لیے طلب کیا تھا کہ تم کو قتل کردوں مگر اس وقت میرے نزدیک تم سے زیادہ محبوب کوئی شخص نہیں، مانگو تمھاری ضرورتیں پوری کی جائیں گی''۔(فضل اللہ الصمد:2/158)

تاریخ میں اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف کرام نے بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی دعاؤں کا سہارا لیا ہے اور اللہ نے ان کی دعاؤں کی لاج رکھ لی ہے۔

۞ **اخلاص**:اخلاص،دنیوی مصائب اور مشکلات سے نجات پانے کا دوسرا اہم ذریعہ ہے۔انبیاء کی دعوت کا انکار کرنے کی وجہ سے بہت سی قومیں ہلاک ہویں۔اس ہلاکت سے وہی لوگ نجات پا سکے جو مخلص تھے۔سورۂ صافات میں ارشاد باری ہے:وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ، وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

فِيهِمْ مُّنذِرِين، فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ، إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ۔ (الصافات: 71، تا 74) ''ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بھٹک چکے ہیں، جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے، اب تو دیکھ لے کہ جنھیں دھمکایا گیا تھا، ان کا انجام کیسا کچھ ہوا، سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے''۔

کفار ومشرکین جب مصائب میں گھر جاتے تو انھیں ان کے اخلاص ہی کی وجہ سے نجات ملتی، جیسا کہ فرمایا گیا: فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ. (العنکبوت: 65) ''یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالی ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں''۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جن لوگوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا ان میں عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے۔ عکرمہ ایک کشتی میں سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ راستے میں کشتی سخت طوفان میں گھر گئی۔ کشتی والوں نے جب دیکھا کہ اس مشکل سے نجات کا کوئی ظاہری سہارا نہیں تو آپس میں کہنے لگے: أَخْلِصُوا فَإِنَّ آلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِي عَنْكُمْ شَيْئًا هَاهُنَا۔ ''خلوص دل سے اللہ کو پکارو، تمھارے معبودان باطلہ یہاں کچھ کام نہیں آسکتے''۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں: ''اگر سمندر کی اس طغیانی سے مجھے اخلاص ہی بچا سکتا ہے تو خشکی میں بھی یہی چیز مصائب ومشکلات سے نجات دلا سکتی ہے، بالآخر یہی واقعہ ان کے قبول اسلام کا سبب بنا''۔ (نسائی: باب الحکم فی المرتد: 4084)

غار والوں کا واقعہ مشہور ہے کہ تین آدمیوں نے سخت آندھی اور بارش سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ لی۔ ایک بڑی چٹان نے اس غار کے دہانے کو بند کر دیا۔ وہاں سے نکلنے کی کوئی ظاہری صورت نظر نہیں آئی۔ اس وقت ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: إِنَّهُ لَنْ يُنَجِّيَكُمْ مِنْ هَذِهِ الصَّخْرَةِ إِلَّا أَنْ تَدْعُوا اللَّهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ۔ ''اس غار سے تمھیں کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی، سوائے اس کے کہ تم اپنے نیک اور مخلصانہ اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرو۔ تینوں نے

اپنے نیک اور مخلصانہ اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی۔ اپنی اس دعا کی وجہ سے ان کو اس بڑی مصیبت سے چھٹکارا مل گیا۔ (بخاری: باب من استأجر أجیرافترك أجره: 2272)

۞ **خوشی اور خوش حالی میں اللہ کو یاد رکھنا**: مصائب ومشکلات کو دور کرنے کا تیسرا ذریعہ یہ ہے کہ خوشحالی اور خوشی کے موقعوں پر کثرت سے اللہ کو یاد کیا جائے۔ ان موقعوں پر ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جو اللہ کی نافرمانی کا باعث یا اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا ہو۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر حدود اللہ کو پامال کر دیتا ہے۔ جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر ہر طریقے سے مال و دولت کو بے دریغ لٹانے لگتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفُكَ فِي الشِّدَةِ۔ ''خوشحالی کے موقعوں پر اس کو یاد رکھو، پریشانیوں میں وہ تمھیں یاد رکھے گا۔ (صحیح الجامع الصغیر: 2961)

۞ **مصیبت زدوں کے کام آنا**: مصیبتوں میں دوسروں کے کام آنا بھی اپنی مصیبتوں کو ختم کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ مومن کو چاہیے کہ اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق دوسروں کی مدد کرے۔ حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے کسی مومن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالی اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی بڑی تکلیف دور فرمادے گا۔ جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ تعالی اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔ (مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ: 7028)

پہلی وحی کے نزول کے بعد رسول اکرم ﷺ جب گھبرائے ہوئے گھر لوٹے تو آپ نے اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے کہا: مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے پُر اعتماد لہجے میں کہا کہ اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ اس کے کئی اسباب ذکر کرتے ہوئے ایک سبب یہ بھی ذکر کیا کہ آپ ﷺ عاجزوں، بیکسوں اور مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہیں۔ (بخاری: جوار أبیبکر فی عھدالنبی ﷺ۔۔: 2297)

۞ **نماز**: اللہ تعالی نے مومنوں کو نماز سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: يَـاَيُّهَا

الَّـذِيـنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ الـلّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ۔ (البقرہ:۳۵۱)''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو''۔

رسول اکرم ﷺ انفرادی اور اجتماعی مصائب میں نماز کا سہارا لیا کرتے تھے۔حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے:کَـانَ الـنَّبِـيُّ إِذَا حَـزَبَـهُ أَمۡـرٌ صَلّٰی ۔(ابوداؤد:بـاب وقـت قيـام النبی ﷺ من الليل:1321)''نبی کریم ﷺ کو کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو نماز پڑھتے''۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ سے مروی ہے: ''ایک نابینا شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ!میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالی مجھے معاف کر دے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمھارے س معاملے کو مؤخر کرتا ہوں اور یہ تمھارے حق میں بہتر ہوگا اور اگر تمھاری خواہش ہے کہ میں ابھی دعا کروں تو کر دیتا ہوں۔اس شخص نے کہا کہ ابھی دعا فرمادیجیے۔ آپ نے فرمایا: اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو۔(ایک دعا کے کلمات سکھلا کر فرمایا کہ) یہ دعا پڑھو۔(ابن ماجہ: باب ماجاء فی صلاۃ الحاجة)

اجتماعی مشکلات میں بھی آپ ﷺ نماز کا اہتمام کیا کرتے تھے۔خصوصا جب بارش نہ ہوتی،قحط سالی کا دور دورہ ہوتا تو آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ میدان میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتے۔(نسائی:باب تقليب الإمام الرداء عندالاستسقاء:1521)

اسی طرح سورج اور چاند گرہن کے موقع پر بھی آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس وقت تک نماز، دعا اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے،جب تک کہ گرہن ختم نہ ہو جاتا۔سورج اور چاند گرہن کے سلسلے میں عہد جاہلیت میں لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ کسی اہم شخصیت کے انتقال یا پیدائش کی وجہ سے سورج یا چاند کو گرہن لگتا ہے۔آپ نے اس نظریے کی تردید کی اور فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں،ان کے گرہن کا کسی کی موت وحیات سے تعلق نہیں ہے۔چناں چہ جب تم (ان کو) اس حالت میں دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن کھل جائے۔(بخاری:باب الصلاة فی کسوف الشمس:1041)

مصائب ومشکلات سے نجات حاصل کرنے کے سلسلے میں یہ چند ذرائع کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ہمیں ان کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔عقیدے کی کمزوری اور توہم پرستی کی وجہ سے اس وقت مسلم معاشرے کا عمومی حال یہ ہے کہ جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو لوگ اللہ سے رجوع کرنے کی بجائے عاملوں اور غلط طریقوں سے جھاڑ پھونک کرنے والوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور ان کے جال میں پھنس کر دین اور دنیا دونوں برباد کر لیتے ہیں۔اس سلسلے کے نہایت شرم ناک واقعات آئے دن سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان حرکتوں سے محفوظ رکھے اور زندگی کے ہر معاملے میں شریعت کے دامن کو تھامے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

نظر بد اور اس کا علاج

انسان کو لاحق ہونے والی بیماریوں میں سے ایک خطرناک بیماری ''نظر بد'' ہے۔نظرِ بد کا مطلب ہے کہ کسی کی خوبی یا اچھائی سے متاثر ہوکر اس کو ایسی نظر سے دیکھنا کہ اس کو نقصان پہنچے یا بیماری لاحق ہو۔

نظر بد کی وجہ سے آدمی مختلف قسم کے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔حضرت اسماء بنت عمیسؓ (حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی بیوی) فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور ان سے کہا:مَالِیُ أَرَی أَجُسَامَ بَنِیُ أَخِیُ ضَارِعَةً تُصِیُبُهُمُ الُحَاجَةُ۔کیا وجہ ہے کہ میرے بھائی کے یہ بچے سوکھتے چلے جا رہے ہیں۔کیا انھیں کوئی بیماری لاحق ہوی ہے؟ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا:لَا!وَلٰـكِـنَّ الُـعَیُـنَ تُسُــرِعُ اِلَیُهِمُ ۔نہیں!انھیں کوئی بیماری نہیں،البتہ انھیں نظر بہت جلد لگ جاتی ہے۔یہ سن کر آپ ﷺ نے انھیں نظرِ بد کا علاج بتایا۔(مسلم:باب استحباب الرقية من العين)

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ الُـعَیُـنَ لَتُوُلَعُ الرَّجُلَ بِاِذُنِ اللّٰهِ حَتّٰـی یَـصُـعَـدَ حَـالِـقًـا ثُمَّ یَتَرَدّٰی مِنُـهُ (صحیح وضعیف الجامع الصغیر: 2561)
''نظر بد انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔حتیٰ کہ اگر کوئی اونچی جگہ پر کھڑا ہو تو نظر بد کی وجہ سے گر بھی سکتا ہے''۔

بسا اوقات نظرِ بد کی وجہ سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:أَكُثَـرُ مَنُ یَّـمُـوُتُ مِـنُ أُمَّتِـیُ بَـعُـدَ قَضَاءِ اللّٰهِ وَقَدُرِهِ بِالُعَیُنِ. (صحیح وضعیف الجامع الصغیر)
''تقدیر کے فیصلے کے بعد میری امت کے لوگ سب سے زیادہ جس چیز سے موت کا شکار ہوں گے،وہ نظر بد ہے''۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:لَوُ كَانَ شَیُءٌ سَابِقَ الُقَدُرِ سَبَقَتُهُ الُعَیُنُ ۔(مسلم:باب الطب

والمرض والرقى :5831)''اگر کسی چیز میں تقدیر کے فیصلے کوٹالنے کی طاقت ہوتی تو نظر بد میں ہوتی''۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے نظرِ بد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِسۡتَعِیۡذُوۡا بِاللّٰهِ مِنَ الۡعَیۡنِ فَاِنَّ الۡعَیۡنَ حَقٌّ .(صحیح وضعیف الجامع الصغیر:940)''نظرِ بد سے اللہ کی پناہ چاہو، کیوں کہ نظر کا لگنا یقینی ہے''۔

نظرِ بد کے اسباب : نظر بد کا سبب عام طور پر حسد ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو نبوت ورسالت کا جو عظیم منصب عطا کیا تھا،اس کی وجہ سے کفار ومشرکین حسد کیا کرتے تھے۔اسی حسد کی بنا پر آپ ﷺ کو ان کی نظر لگنے کا بہت امکان تھا،جیسا کہ فرمایا گیا: وَاِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِأَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ. (القلم:52)''اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں جب کبھی وہ قرآن کو سنتے ہیں''۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:وَفِیۡ هٰذِهِ الۡاٰیَةِ دَلِیۡلٌ عَلٰی أَنَّ الۡعَیۡنَ اِصَابَتُهَاوَتَأۡثِیۡرُهَا حَقٌّ بِأَمۡرِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (تفسیر ابن کثیر،سورۂ قلم،آیت نمبر:52)''اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نظرِ بد کا لگنا اور اس کا اثر انداز ہونا باذن اللہ یقینی بات ہے''۔

نظر بد کا ایک سبب بے لگام حیرت وتعجب ہے۔حضرت ابوامامہ بن سہلؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے والد سہل بن حنیفؓ کو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غسل کرتے دیکھ لیا اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے آج تک تم جیسا حسین اور خوب صورت شخص نہیں دیکھا۔اس پر سہل بن حنیفؓ کو نظر لگ گئی اور وہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔(ابن ماجہ:باب العین:3638)

نظر بد کی قسمیں : علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نظر بد کی دو قسمیں ہیں۔ایک کا تعلق انسانوں سے اور دوسرے کا جنات سے ہے۔(مختصر زادالمعاد:351)

حضرت ابوسعیدؓ کی روایت ہے،وہ فرماتے ہیں:کَانَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ یَتَعَوَّذُ مِنۡ عَیۡنِ الۡجَانِّ وَعَیۡنِ الۡاِنۡسِ .(نسائی:باب الاستعاذة من عین الجان :5511)''رسول اکرم ﷺ جنوں

اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگتے تھے''۔

امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ جناتی نظر نیزوں کی نوک سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔(مختصرزادالمعاد: 351)

عموماً انسان دوسروں کی نظر بد کا شکار ہوتا ہے، مگر بسا اوقات آدمی کو خود اپنی نظر بھی لگ جاتی ہے، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب بھی اپنی کوئی چیز پسند آئے تو فوراً برکت کی دعا کریں۔حضرت عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِّنْ نَفْسِهِ أَوْ مَالِهِ أَوْ مِنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ فَلْيَدْعُ لَهُ بِالْبَرَكَةِ فَإِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ ۔(صحیح الجامع الصغیر:556)
''جب تم میں سے کسی کو اپنا نفس یا اپنا مال یا اپنے بھائی کی کوئی چیز اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ برکت کی دعا کرے، کیوں کہ نظر کا لگنا یقینی ہے''۔

سورۂ کہف میں ایک مال دار شخص کا ذکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دو عمدہ اور پھل دار باغ عطا کیے تھے۔اللہ کی اس نعمت کو پا کر شکر بجالانے کی بجائے وہ غرور و تکبر میں مبتلا ہو گیا اور کہنے لگا: مجھے یقین ہے کہ میرے یہ باغ کبھی برباد نہیں ہوں گے۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی نظر کا شکار ہو گیا، اس کی نظرِ بد اور بداعمالیوں کے سبب اس کے باغات تباہ ہو گئے۔اس کا ایک مومن ساتھی اسے نصیحت کرتے ہوئے کہنے لگا: وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. (الکہف:39)''جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو یہ کیوں نہ کہا: ''مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ''۔

اس واقعے کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: وَلِهٰذَا قَالَ بَعْضُ السَّلَفِ مَنْ أَعْجَبَهُ شَيْءٌ مِّنْ حَالِهِ أَوْ مِنْ مَّالِهِ أَوْ وَلَدِهِ فَلْيَقُلْ "مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" وَهٰذَا مَأْخُوذٌ مِّنْ هٰذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيْمَةِ ۔(تفسیر ابن کثیر: سورۂ کہف: آیت نمبر:39)''اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ سلف نے بیان کیا ہے کہ جب کسی شخص کو اپنی صورت حال، مال و دولت یا اولاد وغیرہ کو دیکھ کر خوشی محسوس ہو تو اس وقت اسے ''مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه'' (جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے، اللہ کی قوت وطاقت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا) پڑھنا چاہیے۔اور یہ دعا اسی آیت سے ماخوذ ہے''۔

حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد کو جب بھی کوئی چیز پسند آتی یا وہ باغ میں داخل ہوتے تو کہتے: مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه. (الطب النبوی:فصل فی هدیه ﷺ فی علاج المصاب بالعین)

نظر بد سے بچاؤ کی پیشگی تدابیر : نظر بد سے بچاؤ کے لیے پیشگی حفاظت کے جو بھی اقدامات ہو سکتے ہیں، انھیں اپنانا چاہیے۔ مثلاً اپنی خوبیوں اور اہم معاملات کو دوسروں سے مخفی رکھنا، تا کہ لوگوں کے حسد اور بری نظر سے محفوظ رہ سکیں۔ حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند انھیں سجدہ کر رہے ہیں ۔اس عجیب وغریب خواب کا تذکرہ اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کیا، تو انھوں نے فرمایا: يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔(سورۂ یوسف:5) ''پیارے بیٹے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں، شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ ناصر عبدالرحمٰن السعدی فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، وہ دن رات اور کھلے چھپے اس پر وار کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس لیے ان اسباب سے دور رہنا بہتر ہے جن کے ذریعے سے وہ انسانوں پر تسلط حاصل کرتا ہے''۔ (تفسیر السعدی:2/1239)

اسی طرح اپنی اولاد کو بھی نظرِ بد سے بچانے کی احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے قحط کے زمانے میں غلہ لانے کے لیے جب مصر جانے لگے تو انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ . (یوسف:67) ''اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا''۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ دروازوں سے داخل ہونے کا جو حکم دیا تھا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اِنَّهُ خَشِيَ عَلَيْهِمُ الْعَيْنَ وَذٰلِكَ اَنَّهُمْ كَانُوْا ذَوِيْ جَمَالٍ وَهَيْئَةٍ حَسَنَةٍ. (ابن کثیر: تفسیر سورۂ یوسف:67) حضرت یعقوبؑ کو ڈر ہوا کہ کہیں

ان کے بچوں کو نظر نہ لگ جائے کیوں کہ وہ بہت ہی خوب صورت تھے''۔

اگر کسی مومن بھائی میں کوئی خوبی دیکھیں تو اسے برکت کی دعا دینی چاہیے، تا کہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہ سکے۔حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:عَلَامَ یَقْتُلُ أَحَدُکُمْ أَخَاهُ إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِّنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ فَلْيَدْعُ لَهُ بِالْبَرَكَةِ ۔(صحیح الجامع الصغیر:4020)''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی ہلاکت کا ذریعہ کیوں بنتا ہے؟ جب اپنے بھائی میں کوئی پسندیدہ چیز نظر آئے تو اس کے حق میں برکت کی دعا کرنی چاہیے''۔

آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ اگر کسی کے اندر کوئی خوبی دیکھتے تو فوراً برکت کی دعا دیتے۔حضرت عروہ بارقیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے انھیں ایک دینار دے کر فرمایا کہ ایک بکری خرید لاؤ۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دینار میں دو بکریاں خرید لیں، پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار میں بیچ دیا، ایک بکری اور ایک دینار لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ ﷺ سے سارا واقعہ سنایا، آپ ﷺ بہت خوش ہوے اور دعا دی:بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ صَفْقَةِ يَمِيْنِكَ ۔''اللہ تمھاری کمائی میں برکت عطا کرے''۔(ترمذی:باب شراء حكيم بن حزام أضحية:1304)

حضرت ابومحذورہؓ اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوے فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے موقع پر) میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سفر پر نکلا۔راستے میں اذان کی آواز سنائی دی۔ہم مؤذن کا مذاق اڑاتے ہوے بلند آواز سے اس کی نقل اتارنے لگے۔آپ ﷺ کے ساتھی ہمیں پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں لے گئے۔آپؐ نے پوچھا کہ تم میں سے کون بلند آواز سے اذان دے رہا تھا؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا۔آپ ﷺ نے سب کو آزاد کر کے مجھے روک لیا اور فرمایا:اٹھو، اذان دو۔میں کھڑا تو ہو گیا مگر اس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ مجھے رسول اکرم ﷺ سے اور آپ کے اس حکم سے انتہائی نفرت محسوس ہو رہی تھی۔بہر حال میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور آپ ﷺ نے خود مجھے اذان کے کلمات سکھائے۔جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے ایک تھیلی میرے حوالے کی۔اس میں کچھ چاندی کے سکے تھے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے چہرے

اور جسم پر پھیرا، پھر آپ ﷺ نے دعا دی: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ ۔ ''اللہ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے''۔(یہی واقعہ ان کے قبولِ اسلام کا سبب بنا)۔(سنن ابن ماجہ :باب الترجیع فی الاذان:757)

نظرِ بد کا علاج : شریعت میں نظرِ بد کے علاج کے مختلف طریقوں کا ذکر ملتا ہے، جن میں سے ایک اہم ذریعہ شرعی جھاڑ پھونک ہے۔ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے گھر میں ایک لونڈی تھی ، جسے پھوڑے پھنسیاں نکل آئی تھیں ،اور چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِسْتَرْقُوْا لَهَا فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ ۔(بخاری:باب رقیة العین :5739)''اس پر دم کرو، کیوں کہ اس پر نظر بد کا اثر ہے''۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے نظرِ بد، بخار، اور پھوڑے پھنسی کے امراض میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔(مسلم:باب استحباب الرقیة من العین:5852)

اوپر حضرت ابوسعیدؓ کی روایت گزر چکی ہے، وہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَيْنِ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْإِنْسِ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ أَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَىٰ ذٰلِكَ ۔(سنن نسائی:باب الاستعانة من عین الجان:5511)''رسول اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ جب معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) نازل ہوئیں تو ان سورتوں کو پڑھ کر دم کر لیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو چھوڑ دیا''۔

جھاڑ پھونک یا دم کرنے کے شرائط : علامہ ابن حجرؒ نے جھاڑ پھونک کے تین شرائط ذکر کیے ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ جھاڑ پھونک کے کلمات شرک اور گناہ سے پاک ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جھاڑ پھونک عربی زبان میں ہو اور ان کے معانی واضح ہوں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ یہ عقیدہ رہے کہ اس میں تاثیر پیدا کرنے والی ذات صرف اللہ رب العالمین کی ہے۔ جھاڑ پھونک کرنے والے کا اس میں کوئی کمال نہیں۔(موقع لقط المرجان ،لأبی حمد)

جب کسی کو نظر بد لگ جائے تو قرآنی آیات اور اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت شدہ اوراد

واذکار پڑھ کر دم کرنا چاہیے۔اس سلسلے میں درج ذیل آیات اور دعائیں اہم ہیں:

سورۂ فاتحہ۔آیۃ الکرسی۔سورۂ اخلاص،سورۂ فلق،اور سورۂ ناس۔اور یہ دعائیں:

1۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ ، مِنْ شَرِّ مَا خَلَق .(**مسلم**:باب فی التعوذمن سوء القضاء و درك الشقاء:**7053**)''اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں،ہر مخلوق کی برائی سے''۔

2۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ، مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ،وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ. (ابن ماجہ:**3654**)''اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں،ہر شیطان کی برائی،ہر ہلاک کر دینے والے زہریلے جانور اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے (اللہ کی) پناہ میں دیتا ہوں''۔

3۔اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ، مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ، وَذَرَأَ وَبَرَأَ ،وَمِنْ شَرِّمَایَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَایَعْرُجُ فِیْھَا، وَمِنْ شَرِّمَاذَرَأَ فِی الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَایَخْرُجُ مِنْھَا ،وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ،وَمِنْ شَرِّ کُلِّ طَارِقٍ یَّطْرُقُ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَارَحْمٰنُ. (الجامع الصغیر وزیادته :**74**)''میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں،جس سے کوئی نیک اور بد آگے بڑھ نہیں سکتا،ان چیزوں کی برائی سے جو اس نے پیدا کیا،پھیلایا اور دراز کیا،ان چیزوں کی برائی سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور جو آسمان میں چڑھتی ہیں،جو زمین پھیلی ہوی ہیں،جو زمین سے نکلتی ہیں،دن اور رات کے فتنوں کے شر سے،رات میں نمودار ہونے والے ہر فرد سے سوائے اس کے جو خیر کے ساتھ نمودار ہو،اے رحمٰن پروردگار!''۔

4۔ بِسْمِ اللّٰہِ ،اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ، مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ، وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ ،وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ. (الجامع الصغیروزیادته :**703**)''میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں اس کے غضب سے،اس کے بُرے بندوں سے،شیطان کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

جب دوسروں کو دم کرنا ہو تو ''اَعُوْذُ'' کی جگہ ''أُعِیْذُكَ'' پڑھ کر دم کرنا چاہیے۔مذکورہ دعاؤں کے علاوہ دوسروں پر دم کرنے کے لیے یہ دعائیں بھی آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ یُبۡرِیۡكَ ،وَمِنۡ کُلِّ دَاءٍ یَشۡفِیۡكَ،وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدٍ، وَ شَرِّ کُلِّ ذِیۡ عَیۡنٍ. (مسلم:کتاب السلام:باب الطب والمرض والرقی :5828)''میں (آپ پردم کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو آپ کو تندرستی عطا کرے گا، ہر بیماری سے آپ کو شفا دے گا، حاسد کے حسد سے آپ کی حفاظت کرے گا جب وہ حسد کرے اور ہر بُری نظر سے آپ کو محفوظ رکھے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡكَ،مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ یُؤۡذِیۡكَ، وَمِنۡ شَرِّ کُلِّ نَفۡسٍ،اَوۡ عَیۡنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰہُ یَشۡفِیۡكَ،بِسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡكَ. (مسلم:کتاب السلام:باب الطب والمرض والرقی :5829)''میں اللہ کا نام لے کر آپ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف پہنچائے، ہر نفس کی برائی سے اور حاسدین کی نظرِ بد سے، اللہ آپ کو شفا عطا فرمائے، میں اللہ کا نام لے کر آپ پر دم کرتا ہوں''۔

''بعض اوقات واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے۔ ایسی صورت میں اس شخص سے کسی برتن میں وضو یا غسل اس طرح کروایا جائے کہ اس کا استعمال شدہ پانی اسی برتن میں جمع ہو اور پھر اس جمع شدہ پانی کو لے کر مریض پر چھڑک دیں یا مریض کی پشت پر بہا دیں یا مریض کو اسی پانی سے غسل کروا دیں''۔(انسان اور کالے پیلے علوم:191) جیسا کہ ابوامامہ بن سہل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے والد سہل بن حنیفؓ غسل کر رہے تھے، عامر بن ربیعہؓ نے دیکھ لیا، کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے آج تک تم جیسا خوب صورت شخص نہیں دیکھا۔ اس پر سہل بن حنیف کو نظر لگ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ رسول اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ سہل بن حنیفؓ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے تفصیل پوچھی تو سارا واقعہ بتایا گیا۔ آپؐ عامر بن ربیعہؓ پر غضب ناک ہوئے، اور فرمایا: عَلَامَ یَقۡتُلُ اَحَدُکُمۡ اَخَاہُ ،اَلَّا بَرَّکۡتَ ۔ ''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے، تم نے برکت کی دعا کیوں نہیں کی''۔ پھر آپ ﷺ نے عامر بن ربیعہؓ سے کہا کہ ان کے لیے غسل کرو، پھر ان کے غسل کا پانی سہلؓ کے جسم پر بہا دیا گیا، وہ اچھے ہو کر لوگوں کے ساتھ چلنے لگے۔(السلسلۃ الصحیحۃ :2572)

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''جس شخص کی نظر لگی ہو اور اس سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو وہ غسل کرے''۔(مسلم: باب الطب والمرض والرقی)

اس وقت نظرِ بد کے علاج کے بہت سے طریقے عوام میں رائج ہیں، جو کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہیں۔ مثلاً: گلے میں تعویذ لٹکانا، ہاتھوں میں سیاہ دھاگہ باندھنا یا کڑے، چھلے وغیرہ پہننا، مکان یا دکان کی چوکھٹ پر لیموں، ہری مرچ وغیرہ لٹکانا یا پھر خوفناک تصویریں آویزاں کرنا، وغیرہ۔ یہ سب غیر شرعی طریقے ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے، ورنہ اس میں دین اور دنیا دونوں کی بربادی ہے۔ مومن کو ہر حال میں شریعت کا پابند ہونا چاہیے اور ایسے تمام طریقوں سے اجتناب کرنا چاہیے جو کتاب وسنت سے ثابت نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نظرِ بد سے اور ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

بدگمانی اسلام کی نظر میں

انسانی معاشرے کو جو چیزیں گھن کی طرح کھائے جارہی ہیں، ان میں سے ایک بدگمانی ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جو افراد کے درمیان نفرتوں کی دیوار کھڑی کر دیتا ہے اور پاکیزہ ماحول کو بھی زہر آلود کر دیتا ہے۔ یہ ایسی وبا ہے جو لمحوں میں معاشرے کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہے۔ بدگمانی معاشرے کے بگاڑ کا ایک بنیادی سبب ہے۔ یہ فتنہ وفساد کی اور اختلاف وانتشار کی جڑ اور جنگ وجدل کا پیش خیمہ ہے۔ جب کسی معاشرے میں بدگمانی کا مرض پیدا ہوتا ہے تو وہ معاشرہ بدامنی کی آماج گاہ بن جاتا ہے، ایک دوسرے پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے، ہر کوئی دوسرے کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے، تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، دوستیاں دشمنیوں میں اور محبتیں نفرتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، دوریاں اور نفرتیں جنم لینے لگتی ہیں، ماحول کا امن وسکون غارت ہو جاتا ہے اور جنت نما گھر جہنم کی آگ برسانے لگتا ہے۔

ان ہی خرابیوں کی وجہ سے اسلام نے بدگمانی کو جرم عظیم قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:
اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ۔(مسلم: باب تحریم الظن والتجسس :6701)
''تم بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے''۔

معاشرے میں افراد کے درمیان کبھی کبھی ناخوشگوار واقعات کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے، حالات کبھی کشیدہ ہو جاتے ہیں اور ناچاقیاں کبھی ابھر جاتی ہیں، ان حالات میں بدگمانی جلتے پر تیل کا کام کرتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ دوسروں کے سلسلے میں رائے قائم کرنے میں احتیاط برتیں، حسن ظن سے کام لیں اور بدگمانی سے پرہیز کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ . (الحجرات:12) ''اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں''۔

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے،اس کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان نفرت کے بیج بوئے جائیں۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے سنا: إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنَّ التَّحْرِيْشَ بَيْنَهُمْ .(مسلم:باب تحريش الشيطان و بعثه سراياه :7281)''شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرۃ العرب میں مسلمان اس کی فرماں برداری کریں،اس لیے اب اس کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائے''۔

نبی کریم ﷺ نے جو اسلامی معاشرہ قائم کیا،اس کے افراد صحابہ کرامؓ تھے، جو انبیاء کے بعد سب سے افضل تھے،مگر شیطان نے بدگمانی کا یہ حربہ ان کے خلاف بھی استعمال کیا اور اس کے ذریعے صحابہ کرامؓ کو بھی زیر کرنے کی کوشش کی۔رسول اکرم ﷺ نے ایسے تمام موقعوں پر صحابہ کرامؓ کی صحیح رہ نمائی فرمائی اور انھیں اس کے مہلک اثرات سے بچالیا۔

1 حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔رات کا کچھ حصہ جب گزر گیا تو آپ خاموشی کے ساتھ بستر سے اٹھے اور گھر سے باہر چلے گئے۔میں بھی آپ کے پیچھے ہولی،آپ سیدھے قبرستان گئے،اور دیر تک کھڑے ہو کر وہاں مدفون مسلمانوں کے حق میں دعاے مغفرت کرتے رہے۔پھر واپس ہوے،حضرت عائشہؓ نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ واپس ہو رہے ہیں،تو دوڑتے ہوے آئیں اور اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔دوڑتے ہوے آنے کی وجہ سے ان کی سانس پھول رہی تھی۔آپ ﷺ سمجھ گئے کہ عائشہؓ میرے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہیں۔چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: أَظَنَنْتِ أَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ ۔اے عائشہؓ ! کیا تم سمجھتی ہو کہ اللہ اور اس کے رسول تمھارے حقوق میں کوتاہی کریں گے؟۔پھر آپ نے ﷺ فرمایا: بات دراصل یہ ہے کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انھوں نے اللہ کا حکم سنایا ہے کہ آپ بقیع تشریف لے جائیں اور وہاں مدفون مسلمانوں کے حق میں دعاے مغفرت کریں۔(مسلم: باب ما يقال عند دخول القبور :2301)

2 حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ معاذ بن جبلؓ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے،

پھر اپنی قوم میں جا کر ان کی امامت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ عشا کی نماز آپؐ کے ساتھ ادا کر کے اپنی قوم میں گئے اور ان کو نماز پڑھانے لگے۔ انھوں نے سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ شروع کر دی۔ ان کی قوم کے لوگ کسان تھے، دن بھر کھیتیوں میں کام کر کے تھک جاتے تھے۔ ایک شخص نے جب دیکھا کہ حضرت معاذؓ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کر دی ہے تو اس نے نماز توڑ دی، اور تنہا پڑھ کر گھر واپس ہو گیا، جب یہ بات حضرت معاذ بن جبلؓ کو معلوم ہوی تو انھوں نے کہا: وہ شخص منافق ہے۔ اطلاع ملنے پر اس شخص نے رسول اکرم ﷺ سے معاذ بن جبلؓ کی شکایت کی: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنَّا نَعْمَلُ بِأَيْدِيْنَا وَ نَسْقِيَ بِنَوَاضِحِنَا وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ اَنِّيْ مُنَافِقٌ۔ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں۔ ہم خود ہی اپنی کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں، (رات تھک کر آتے ہیں، اور معاذؓ لمبی لمبی نمازیں پڑھاتے ہیں) کل رات انھوں نے (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کر دی تو میں نے نماز توڑ دی، جس کی بنا پر وہ مجھ پر نفاق کا الزام لگا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کی سرزنش کرتے ہوے فرمایا: يَا مُعَاذُ! أَفَتَّانٌ أَنْتَ (ثَلَاثًا) اِقْرَأْ" وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا" وَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى" و نحوها" اے معاذ! کیا تم (اتنی طویل طویل سورتیں پڑھا کر) لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ تمھیں چاہیے کہ سورۂ شمس، سورۂ اعلیٰ جیسی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھو'۔ (بخاری: باب من لم یر اکفار من قال ذلك متأولا أو جاهلا: 6106)

آپ ﷺ کی اس تربیت کا اثر حضرت معاذؓ پر ایسا ہوا کہ دوسروں پر بدگمانی کرنے کے سلسلے میں حد درجہ محتاط ہو گئے، بلکہ ان کی موجودگی میں اگر کسی پر بدگمانی کی جاتی تو اس کی جانب سے دفاع کرتے۔ جنگِ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے صحابہؓ میں سے حضرت کعب بن مالکؓ بھی تھے۔ تبوک کے میدان میں پہنچنے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کا جائزہ لیا۔ کعب بن مالکؓ کو میدانِ جنگ میں نہ پا کر لوگوں سے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ ایک شخص نے کہا: حَبَسَهُ بُرْدَاهُ وَا لنَّظْرُ فِيْ عِطْفَيْهِ ۔ ان کو ان کی طاقت کے غرور اور دولت کے نشے نے اس جنگ میں شریک ہونے سے روک رکھا ہے

۔یہ سن کر حضرت معاذؓ نے فوراً اس شخص کی نکیر کی اور کہا: بِئْسَ مَا قُلْتَ ۔تم نے ایک مسلمان کے تعلق سے کیا ہی بری بات کہی۔ پھر آپؓ نے رسول ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے ان کو ہمیشہ بہتر پایا، ہم ان کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں، ممکن ہے کسی مجبوری کی وجہ سے وہ اس جنگ میں شریک نہ ہوئے ہوں۔یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہوئے۔(مسلم: باب حديث توبة كعب بن مالك ...:7192)

میاں بیوی کے تعلقات میں بگاڑ کی اکثر وجہ بدگمانی ہوا کرتی ہے۔بسا اوقات طلاق وخلع کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق سعودی عرب میں چالیس فی صد طلاق اور فسخ نکاح کے واقعات میاں بیوی کی ایک دوسرے پر بدگمانی کے نتیجے میں پیش آتے ہیں۔اسی لیے آپ ﷺ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے حسنِ ظن سے کام لینے کا حکم دیا اور بلا وجہ بدگمانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور اپنی بیوی کی پاک دامنی پر شک کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میری بیوی نے ایک سیاہ (بدصورت) بچہ جنم دیا ہے (حالانکہ ہم دونوں خوب صورت ہیں) آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ شخص اپنی بیوی پر بدگمانی کر رہا ہے۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمھارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! میرے پاس بہت سے اونٹ ہیں۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ ان کا رنگ کیسا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ سب سرخ رنگ کے ہیں۔آپ ﷺ نے پوچھا: کیا ان میں کوئی سیاہ رنگ کا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں، ان میں ایک سیاہ رنگ کا بھی ہے۔آپ ﷺ نے پھر اس سے پوچھا کہ ان سرخ اونٹوں میں سیاہ رنگ کا یہ اونٹ کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا: ممکن ہے ان اونٹوں کی نسل میں کوئی سیاہ رنگ کا ہو اور اس اونٹ میں اس کی شباہت آگئی ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا: تب یہ بھی ممکن ہے کہ تمھارے یا تمھاری بیوی کے خاندان میں کوئی سیاہ رنگ کا ہو اور تمھارے اس بچے میں بھی اس کی شباہت آگئی ہو۔اس آدمی کو بات سمجھ میں آگئی، اس کا شک دور ہو گیا اور بدگمانی کی کیفیت جاتی رہی۔(بخاری: باب إذا عرض بنفي الولد:5305)

بدگمانی کی وجہ سے معاشرے کا امن وسکون کس قدر متاثر ہوتا ہے اس کا اندازہ واقعۂ افک سے

لگایا جاسکتا ہے، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی طویل سفر پر روانہ ہوتے یا جنگ کے لیے نکلتے تو ازواج مطہرات میں کسی ایک کو اپنے ساتھ لے لیتے۔ غزوۂ بنوالمصطلق میں آپؐ کے ہم راہ حضرت عائشہؓ تھیں۔ جنگ سے واپسی میں مدینہ کے قریب ایک جگہ اسلامی لشکر رکا۔ حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لیے گئیں۔ واپس آنے میں تاخیر ہوگئی کیوں کہ ان کے گلے کا ہار گم ہوگیا تھا، اس کی تلاش میں تاخیر ہوگئی۔ جب واپس آئیں تو دیکھا کہ لشکر جاچکا ہے۔ پھر وہ لوٹ کر آئے گا، اس خیال سے وہ وہیں بیٹھ گئیں۔ اتنے میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہاں سے حضرت صفوان بن معطلؓ کا گزر ہوا۔ انھوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو حجاب کے احکام نازل ہونے سے قبل دیکھا تھا۔ وہ حضرت عائشہؓ کو پہلی ہی نظر میں پہچان گئے اور ان کی زبان سے ''اِنَّا لِلّٰہِ وِاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ'' کے الفاظ نکلے۔ یہ الفاظ جیسے ہی حضرت عائشہؓ کے کان میں پڑے، ان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! صفوان نے مجھ سے کوئی بات کی نہ ان کی زبان سے ''اِنَّا لِلّٰہِ'' کے سوا کوئی اور کلمہ نکلا۔ انھوں نے اپنی سواری بٹھا دی۔ میں اس پر سوار ہوگئی اور وہ اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے پیدل چلتے رہے۔ جب اسلامی لشکر کے پاس پہنچے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے حضرت عائشہؓ کو صفوان بن معطلؓ کے ساتھ دیکھا تو بدگمانی کرنے لگے اور حضرت عائشہؓ پر بدکاری کا الزام لگا دیا۔ پھر اس زور وشور سے اس کا پروپیگنڈا کیا کہ سارے مدینہ میں یہ بات پھیل گئی۔ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس شیطانی فریب کا شکار ہوگئے اور حضرت عائشہؓ پر لگائے گئے الزام کی تائید کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سب پریشان تھے، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے؟ مدینہ کی فضا آلودہ ہوچکی تھی، آپ ﷺ اس سلسلے میں کبھی حضرت علیؓ سے تو کبھی حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مشورہ کرتے، کبھی حضرت بریرہؓ سے تو کبھی انصار اور مہاجرین کے اجلہء صحابہ سے رائے طلب کرتے کہ کیا کیا جائے؟ مگر کوئی حل کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ مسلسل ایک مہینہ تک یہی کیفیت رہی۔ ایک مہینہ کے بعد آپ ﷺ پر وحی نازل ہوی جس میں حضرت عائشہؓ کی براءت کا اعلان کیا گیا اور جو لوگ بے بنیاد الزام لگا رہے تھے اور بدگمانی کر رہے تھے ان پر اسّی کوڑے برسانے

کا حکم دیا گیا۔ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی:لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْراً وَّقَالُوْا هَذَا إِفْكٌ مُّبِيْنٌ (النور:12)''اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ کھلم کھلا صریح بہتان ہے''۔

ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر بدگمانی نہ کرے۔اگر کوئی مشکوک صورتِ حال پیش آجائے تو بدگمانی کرنے کی بجائے پہلے تحقیق کرلے،تحقیق کے بعد جو نتیجہ سامنے آئے اس کے مطابق رائے قائم کرے۔حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمارؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔وہاں کے لوگ بڑے شر پسند تھے۔انھوں نے خلیفہ سے حضرت عمارؓ کی شکایت کی کہ انھیں صحیح طور سے نماز پڑھنی نہیں آتی۔حضرت عمرؓ کو جب یہ شکایت پہنچی تو آپؓ نے جلد بازی سے کام نہیں لیا،ان کے بارے میں حسن ظن سے کام لیا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ عمارؓ سابقین اولین میں سے ہیں اور آپ ﷺ کی صحبت میں ۲۳ر سال کا طویل عرصہ گزار چکے ہیں۔وہ اچھی طرح نماز پڑھنا اور پڑھانا جانتے ہیں،مگر اس شکایت کا نوٹس لینا بھی ضروری تھا،اس لیے انھوں نے عمارؓ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ تم کیسے نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہو؟انھوں نے کہا میں آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی نماز پڑھتا اور پڑھاتا ہوں۔پھر نماز پڑھ کر بتایا۔حضرت عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ یہ کوفہ والوں کی شرارت ہے۔اس تحقیق کے بعد انھوں نے عمارؓ سے کہا:ذَاكَ ظَنُّنَا بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاق ۔(الخلاف،اسبابہ و آدابہ۔دکتور عائض القرنی،ص:58)''اے ابو اسحاق!تمھارے بارے میں ہمارا یہی حسن ظن تھا''۔

اسی طرح اہل ایمان کو چاہیے کہ ان اسباب سے بھی اجتناب کریں،جو لوگوں میں بدگمانی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔مشہور واقعہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ رمضان المبارک میں اعتکاف میں تھے۔ام المومنین حضرت صفیہؓ آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے آئیں۔رات کا وقت تھا۔جب واپس ہونے لگیں تو آپ ﷺ انھیں رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے۔دروازے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ دو انصاری صحابہ کا وہاں سے گزر ہوا۔انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر سلام کیا۔آپ ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد ان سے کہا کہ ٹھہر جاؤ۔پھر ان دونوں سے کہا:یہ میری بیوی

صفیہؓ ہیں۔ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول! آپ پر شک یا برا گمان کیسے کیا جاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الشَّیطَانَ یَجرِیُ مِنِ ابنِ آدَمَ مَجرَی الدَّمِ وَاِنِّیُ خَشِیتُ أَنُ یَّقذِفَ فِیُ قُلُوبِکُمَا شَیئًا۔(ابن ماجہ: کتاب الصیام : 1851)''شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں برا خیال نہ پیدا کردے''۔

ان تعلیمات کی روشنی میں ہر مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان کی عزت کی حفاظت کا خیال رکھے، اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لے اور بدگمانی سے اجتناب کرے۔کوئی شخص کسی کے بارے میں بدگمانی پھیلا رہا ہے تو اسے روکے اور مظلوم کے سلسلے میں حسنِ ظن کا اظہار کرے۔موجودہ دور میں مسلمانوں کا رویہ اس معاملے میں نہایت ہی افسوس ناک ہے۔بدگمانی کرنا اور بدگمانی پھیلانا اس وقت مسلمانوں کا شعار سا بن چکا ہے۔اتنی گھناؤنی حرکت کرتے ہوے احساس تک نہیں ہوتا کہ گناہِ کبیرہ کررہے ہیں اور نہ ہی سننے والوں میں اتنی جرأت ہوتی ہے کہ وہ بدگمانی کرنے والے کا منہ بند کریں۔اس معاملے میں چھوٹے بڑے، پڑھے لکھے اَن پڑھ سب برابر ہیں۔اس کی وجہ سے مسلم معاشرے سے خیر وبرکت اٹھ چکی ہے، کسی کی عزت محفوظ نہیں ہے اور حسنِ ظن کے فقدان کی بنا پر آپسی تعاون کے ذریعے کوئی بڑا ملی اور قومی کام کم ہی ہو پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بدگمانی سے محفوظ رکھے۔آمین ✦✦✦

گناہوں کو معمولی نہ سمجھیں

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کو اس لیے بھیجا کہ وہ نیک کام کریں اور برے کاموں سے بچیں ،تا کہ اس کی بنائی ہوی جنت کے مستحق بنیں۔مگر اکثر لوگوں کی زندگی نیک کاموں سے زیادہ برے کاموں اور گناہوں میں بسر ہوتی ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''غفور رحیم'' ہے۔وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے گا۔مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہاں ''غفور رحیم'' ہے وہیں ''شدید العقاب'' بھی ہے۔اس کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۔ (المومن: 3) ''گناہوں کو معاف کرنے والا،توبہ قبول کرنے والا،سخت سزا دینے والا ،فضل وکرم کرنے والا ہے''۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (المائدہ:98) ''تم یقین جانو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور اللہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا بھی ہے''۔

اس لیے ایک مومن کو چاہیے کہ جہاں وہ اللہ کی رحمت سے امید رکھے،وہیں اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتا رہے۔

رحمتِ الٰہی سے امید کا حقیقی مفہوم :اللہ کی رحمت سے امید کا یہ مطلب بھی نہیں کہ گناہوں پر گناہ کرتے چلے جائیں ۔بلکہ اس کی رحمت سے امید کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کی جائیں۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:اِنَّ الْمُؤْمِنَ أَحْسَنَ الظَّنَّ بِرَبِّهٖ فَأَحْسَنَ الْعَمَلَ وَاِنَّ الْفَاجِرَ أَسَاءَ الظَّنَّ بِرَبِّهٖ فَأَسَاءَ الْعَمَلَ ۔(مواردالظمآن لدروس الزمان) ''مومن اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن اور اچھے بدلے کی امید رکھتا ہے اس لیے وہ اچھا عمل کرتا رہتا ہے۔فاجر اور بدکار

اللہ کے بارے میں برا گمان کرتا ہے اور برے بدلے کی امید رکھتا ہے، اس لیے برا عمل کرتا رہتا ہے''۔

گناہوں میں پھانسنے کا شیطانی حربہ: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گناہِ صغیرہ معمولی گناہ ہے۔ اللہ اس کو معاف کر دے گا یا نیکیاں اسے مٹا دیں گی۔ اس طرح کا خیال حقیقت میں شیطانی فریب ہے۔ شیطان انسان کو گم راہ کرنے کے لیے صغیرہ گناہوں کا سہارا لیتا ہے۔ اس لیے گناہ خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو اسے حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کو نصیحت کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِیَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا. (ابن ماجہ: باب ذکر الذنوب: **4384**) ''اے عائشہؓ! گناہوں کو حقیر نہ سمجھو، کیوں کہ اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ ان کو لکھ رہا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''گناہوں کو معمولی نہ سمجھو، کیوں کہ یہ گناہ جب کسی کے نامۂ اعمال میں (ایک ایک کر کے) جمع ہو جاتے ہیں تو اس کو ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان گناہوں کی مثال ان مسافروں کی مانند ہے جو کسی سفر پر روانہ ہوئے، دورانِ سفر انھیں بھوک لگی، وہ کھانا تیار کرنے کے لیے لکڑیوں کی تلاش میں نکل گئے، سب ایک ایک لکڑی لے آئے یہاں تک کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر جمع ہو گیا، جس سے انھوں نے اپنا کھانا تیار کر لیا''۔ یعنی ایک لکڑی کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، مگر ایک ایک کر کے لکڑیاں جب ڈھیر کی شکل اختیار کر لیتی ہیں تو ان کے ذریعے کئی لوگوں کا کھانا تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہ بھی ایک ایک کر کے جب بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں تو انسان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ (صحیح الترغیب والترهیب: باب الترغیب بالمعروف والنهی عن المنكر: **2470**)

بعض گناہ ایسے ہیں جنھیں انسان معمولی سمجھتا ہے مگر وہ اللہ کی نظر میں بڑے غیر معمولی اور خطرناک ہوتے ہیں۔ منافقین نے حضرت عائشہؓ پر بدکاری کا الزام لگایا، اور اس زور و شور کے ساتھ اس کا پروپیگنڈا کیا کہ بعض بھولے بھالے مسلمان بھی ان کے فریب میں آ گئے۔ ان کی نکیر کرتے ہوئے سورۂ نور میں فرمایا گیا: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۔(النور:15)''جب کہ تم اس بہتان کوایک دوسرے سے نقل کرتے تھے اوراپنی زبان پرایسی بات لاتے تھے جس کا تمھیں کوئی علم نہیں تھا،اورتم لوگ اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی''۔

رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَايَرَى بِهَا بَأْسًا فَيَهْوِىْ بِهَا فِىْ نَارِجَهَنَّمَ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا ۔(ابن ماجہ:باب كف اللسان فى الفتنة :4105)''آدمی اپنی زبان سے اللہ کی ناراضی کا کوئی کلمہ ادا کرتا ہے ، جسے وہ معمولی سمجھتا ہے مگراس کی وجہ سے وہ جہنم میں ستر سال کی مسافت تک کی گہرائی میں پہنچ جاتا ہے''۔

ہنسی مذاق میں آدمی دوسرے کی شان میں اکثر ایسے نازیبا جملے استعمال کرتا ہے جنھیں وہ معمولی سمجھتا ہے،حالانکہ وہ بہت ہی سنگین ہوتے ہیں۔ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم ﷺ کے پاس حضرت صفیہؓ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا ۔''صفیہؓ ایسی اورایسی ہیں،یعنی وہ پست قد ہیں''۔یہ سن کرآپ ﷺ نے فرمایا:لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ ۔(ابوداؤد:باب فى الغيبة: 4877)''اے عائشہ!تم نے ایسی بات کہی کہ اگراس کوسمندر کے پانی میں ملادیاجائے توسارا پانی گندا ہوجائے''۔

ہمارے معاشرے میں مومن بھائی پراس کی غیرموجودگی میں نقدوجرح،الزام تراشی اورعیب جوئی کو کوئی جرم ہی نہیں سمجھا جاتا۔اچھے خاصے پڑھے لکھے اوردین دارلوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔یہ ایسا سنگین جرم ہے جس سے انسان عذابِ الٰہی کی زد میں آجاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گزر دوقبروں پر سے ہوا۔آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ان دونوں قبروالوں پرعذاب ہورہا ہے۔پھر فرمایا:''یہ کسی بڑی بات کی وجہ سے نہیں،ان میں سے ایک وہ ہے جولوگوں کی چغلی کیا کرتا تھااوردوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا''۔(مسلم: باب الدليل على نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه:703)

انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا تھوڑا بہت جذبہ آج بھی پایا جاتا ہے مگر بے زبان جانوروں کے ساتھ

ہمدردی کو دین کا حصہ سمجھنے والے لوگ بہت ہی کم ہیں، جب کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عورت محض اس وجہ سے جہنم کا لقمہ بنی کہ وہ بھوکی بلی کو اپنے گھر میں باندھ رکھی تھی، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔(مسلم:باب تحریم قتل الهرة)

قیامت کے دن کا منظر بہت ہی ہولناک ہوگا۔اس دن لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے، یہ پسینہ گناہوں کا ہوگا۔''قیامت کے دن سورج انسانوں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔اس دن لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینہ میں ڈوبے ہوے ہوں گے۔کوئی ٹخنوں تک،کوئی گھٹنوں تک ،کوئی کمر تک پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا، کچھ لوگوں کے حصے میں پسینے کی لگام آئی ہوگی''۔یہ فرماتے ہوے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا''۔(مسلم:باب فی صفة یوم القیامة 7385:...)

صغیرہ گناہوں کے بارے میں مومن کا طرز عمل: بندۂ مومن کو کبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ فلاں صغیرہ گناہ ہے، معمولی ہے، بلکہ اس کی نظر ہمیشہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ گناہ تو بہرحال گناہ ہے، اللہ کی نافرمانی کا باعث ہے، گناہ چاہے جو بھی ہو اس سے اللہ ناراض ہوجاتا ہے۔ حضرت بلال بن سعدؒ فرماتے ہیں:لَا تَـنْـظُـرْ اِلـیٰ صِـغَـرِالْـمَـعْـصِیَةِ وَلٰـکِـنِ انْظُرْاِلیٰ عِظَمِ مَنْ عَـصَیْتَـهُ۔(أریدأن أتوب ولکن: شیخ صالح المنجد)''تم یہ مت دیکھو کہ یہ معمولی گناہ ہے بلکہ یہ دیکھو کہ جس کی نافرمانی کی جارہی ہے، وہ ایک عظیم ہستی ہے''۔

اگر گناہ کرتے ہوے انسان کے دل میں یہ تصور پیدا ہوجائے تو وہ یقیناً ہر گناہ سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ مومن کبھی گناہ کو حقیر نہیں سمجھتا، خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:اِنَّ الْـمُـؤْمِنَ یَریٰ ذُنُوْبَهُ کَاَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ یَخَافُ اَنْ یَقَعَ عَلَیْهِ وَاِنَّ الْـفَـاجِـرَ یَـریٰ ذُنُـوْبَـهُ کَـذُبَـابٍ مَرَّ عَلیٰ اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰکَذَا۔(بخاری:کتاب الدعوات : 6308)''مومن گناہ کو اس چٹان کی مانند سمجھتا ہے، جس کے نیچے وہ بیٹھا ہے، اب تب میں وہ چٹان

اس کے اوپر گرنے والی ہے،اس کے برعکس منافق اپنے گناہوں کو اس مکھی کی مانند سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر آکر بیٹھ جاتی ہے اور ہاتھ کے ایک ہلکے سے اشارے سے اڑ جاتی ہے‘‘۔

انبیاے کرامؑ جو ساری انسانیت کے رہ بر اور رہ نما تھے،جن کی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ عبادت میں اور اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے میں گزرا، وہ ہمیشہ اپنی معمولی لغزشوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہتے تھے۔

قیامت کے دن جب گناہ گار لوگ آدمؑ کے پاس پہنچیں گے اور سفارش کی درخواست کرتے ہوے کہیں گے: أَنتَ أَبُونَا وَأَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ ۔آپؑ ہمارے اور ساری انسانیت کے باپ ہیں،اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، اور اپنی روح آپ میں پھونکی اور اس کے حکم پر فرشتوں نے آپ کے لیے سجدہ کیا۔ہم جس پریشانی میں مبتلا ہیں،آپ اس سے واقف ہیں،اپنے رب سے ہمارے حق میں سفارش کیجیے۔آدمؑ کہیں گے: اِنَّ رَبِّیْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَاِنَّهُ نَهَانِيْ عَنْ شَجَرَةٍ فَعَصَيْتُهُ ۔آج میرا رب اس قدر غضب ناک ہے کہ اتنا غضب ناک نہ پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ اس کے بعد ہوگا۔اس نے مجھے ایک درخت سے منع کیا تھا۔میں نے نافرمانی کی۔میں خود اپنے انجام کے سلسلے میں پریشان ہوں۔میں تمھارے حق میں سفارش نہیں کرسکتا۔نوحؑ کے پاس جاؤ۔ممکن ہے وہ تمھاری سفارش کرسکیں۔نوحؑ ،ابراہیمؑ ،موسیٰؑ اور عیسیٰؑ تمام ہی انبیاے کرام اپنی معمولی لغزشوں کا ذکر کرکے سفارش کرنے سے انکار کردیں گے۔(بخاری:باب ذرية من حملنامع نوح اِنه كان عبدا شكورا :4712)

انبیاء سے جو لغزشیں ہوئیں ، اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں انھیں معاف کرکے ان کو اپنے محبوب بندوں میں شامل کرلیا تھا،اس کے باوجود انھیں اس قدر ڈر ہوگا کہ وہ سفارش کی ہمت نہیں کریں گے۔

حضرت آدمؑ نے جس لغزش کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی معافی کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے: وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ

وَهَـدٰی ۔(طہٰ:122،121)''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو گم راہ ہوگئے، پھران کے رب نے انھیں چن لیا،توان کی توبہ قبول کرلی اورانھیں راہِ راست پرڈال دیا''۔اورانھیں اس لغزش کی سزابھی مل گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت سے نکال کردنیا میں بھیج دیا۔سزا ملنے اور معافی کا اعلان کرنے کے باوجود آدمؑ اپنی اس لغزش کی وجہ سے اللہ کے عذاب اوراس کے غضب سے اس قدر خوف زدہ رہیں گے کہ سفارش کرنے سے انکار کردیں گے۔یہی حال تمام انبیاے کرام کا ہوگا۔

انبیاے کرام کے بعداس دنیا میں سب سے افضل صحابۂ کرامؓ ہیں۔ان کا بھی یہی حال تھا۔ معمولی لغزشوں کی وجہ سے وہ اللہ کے عذاب سے ہمیشہ خائف رہتے تھے۔حضرت عمرؓ مرض الموت میں تھے۔ایک شخص نے انھیں تسلی دیتے ہوے کہا: آپؓ سابقین اولین میں سے ہیں،خلیفۂ ثانی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؓ کوراہِ حق میں شہادت کا شرف بھی حاصل ہورہا ہے،آپؓ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ان تمام خصوصیات کوسننے کے بعد آپؓ نے فرمایا:لَیْتَنِیْ یَاابْنَ أَخِیْ!وَذٰلِکَ۔ کَفَافًا ۔ لَاعَـلَـیَّ وَلَا لِـیْ ۔''اے بھتیجے!اگراللہ تعالیٰ میری تمام نیکیوں کا مجھے بدلہ نہ دےتو کوئی بات نہیں، میرے لیے یہی کافی ہے کہ میرے گناہوں کی وجہ سے وہ قیامت کے دن میری گرفت نہ کرے''۔ (بخاری:باب ماجاء فی قبرالنبی اوأبی بکرؓوعمرؓ:1392)

حضرت حنظلہؓ ایک دن پریشانی کے عالم میں گھر سے نکلے،راستے میں حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوی،حضرت ابوبکرؓ نے خیریت دریافت کی تو کہنے لگے:''حنظلہؓ منافق ہوگیا''۔ابوبکرؓ نے کہا:یہ کیا کہہ رہے ہو؟انھوں نے کہا:جب ہم رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں،آپ ﷺ کی باتوں کو سنتے ہیں تو ہمارے ایمان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے،مگرجب ہم آپ ﷺ کے پاس سے نکل کر اپنے گھروں کو چلے آتے ہیں،بیوی بچوں میں اورکاروبار میں لگ جاتے ہیں تو اس ایمانی کیفیت میں کمی آجاتی ہے اورآخرت سے غفلت کا شکار ہوجاتے ہیں۔یہ جو دہری کیفیت ہے،اس لیے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ میں منافق ہوگیا ہوں!ابوبکرؓ نے کہا کہ میرابھی تو یہی حال ہے!دونوں مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچےاوراپنا حال سنایا۔آپ ﷺ نے فرمایا:وَالَّـذِیْ نَـفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْتَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ

وَفِی الذِّکْرِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ وَلٰکِنْ یَاحَنْظَلَۃُ! سَاعَۃً وَسَاعَۃً۔(مسلم:باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرۃ:7143)''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!اگر تمھاری حالت ہمیشہ وہی رہے جو میرے پاس موجود رہنے کے وقت ہوتی ہے اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے راستوں میں اور بستروں میں تم سے ملاقات کرنے لگ جائیں،مگر اے حنظلہؓ!یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہ سکتی''۔یعنی آپ ﷺ نے انھیں اطمینان دلایا کہ تم سچے مؤمن ہو،اپنے ایمان کے معاملے میں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ صرف ایک دو صحابہؓ کا نہیں بلکہ اکثر صحابہؓ کا حال تھا۔اپنی معمولی لغزشوں کی وجہ سے اپنے آپ پر نفاق کا اندیشہ ظاہر کرتے تھے۔ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں:أَدْرَکْتُ ثَلَاثِیْنَ مِنْ أَصْحَابِ الرَّسُوْلِ کُلُّھُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰی نَفْسِہٖ۔(بخاری معلقا:باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ وھو لا یشعر:)''میں نے تقریباً تیس صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی۔سب اپنے بارے میں اس بات کا خدشہ ظاہر کرتے تھے کہ کہیں وہ نفاق میں مبتلا نہ ہو گئے ہوں''۔

جب دنیا کے ان نیک ترین لوگوں کا یہ حال ہے تو ہم جیسے گناہ گاروں کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے گناہوں پر نظر رکھیں، وقتاً فوقتاً اپنا جائزہ لیتے رہیں،گناہوں سے بچنے اور دور رہنے کی پوری کوشش کریں اور ہر اس طریقے کو اپنائیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری مغفرت فرمائے۔اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

گناہوں کے نقصانات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی جیسی متضاد صفات جمع کر رکھی ہیں۔ انسان کی شخصیت کو بنانے اور بگاڑنے میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ نیک اوصاف انسان کو با اخلاق، نرم خو، شکر گزار، صبر و رضا اور شرم و حیا کا پیکر بناتے ہیں، جب کہ بُری صفات کی وجہ سے انسان کی زندگی پر انفرادی و اجتماعی اور دنیوی و اخروی ہر اعتبار سے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں پر گناہوں کے اثرات کا مختصر ذکر کیا جا رہا ہے۔

1۔ گناہوں کی وجہ سے انسان کے اندر سے اچھے، برے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبا پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ داغ مٹ جاتا ہے، اور اگر وہ توبہ کی بجائے مسلسل گناہ کرتا رہے تو یہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے، یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہی وہ 'الـران' ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے''۔ (ابن ماجہ: باب ذکر الذنوب: **4385**)

جب دل کی یہ کیفیت ہو جائے تو پھر انسان گناہ کو گناہ نہیں بلکہ نیکی اور بھلائی سمجھنے لگتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ،وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۔(الزخرف: **36،37**) ''اور جو رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، وہی اس کا ساتھی بن جاتا ہے، اور وہ انھیں سیدھی راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں''۔

سورۂ کہف میں فرمایا گیا: قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا، اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا۔(**103،104**) ''کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمھیں بتا دوں کہ بہ اعتبارِ اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ ہیں کہ جن کی

دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہوگئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں''۔

2۔گناہوں کی وجہ سے انسان اللہ کی نعمتوں سے محروم ہونے لگتا ہے۔حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرِمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ ۔(ابن ماجہ : کتاب الفتن:**4158**)'' آدمی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے''۔

حضرت آدمؑ سے معمولی لغزش ہوی کہ شیطان کے فریب میں آ کر وہ اس درخت کا پھل کھا بیٹھے جس کے قریب جانے سے انھیں منع کیا گیا تھا۔اس کی پاداش میں انھیں جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑا۔

اسلافِ کرامؒ کہا کرتے تھے: اِنِّی لَأَرَی أَثَرَ ذُنُوبِی عَلیٰ أَهْلِی وَدَابَّتِی ۔''میں اپنے گناہوں کے اثرات اپنے اہلِ خانہ اور سواری پر محسوس کرتا ہوں''۔

انسان جس قدر بڑا گناہ کرتا ہے ،اسی قدر اس سے اللہ کی بڑی بڑی نعمتیں چھن جاتی ہیں۔قارون غرور وتکبر میں مبتلا ہوا تو اس کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔سورۂ قصص میں ارشاد ہے: فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ۔(القصص:**81**)''ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا''۔

قوم سبا کو اللہ تعالیٰ نے ہرے بھرے باغات عطا کیے تھے۔ان سے کہا گیا تھا: كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۔(سبا:**15**)''اپنے رب کی دی ہوی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو''۔

وہ شکر گزاری کی بجائے ناشکری پر اتر آئے ،جس کے نتیجے میں پھل دار باغات خار دار جھاڑیوں میں تبدیل کر دیے گئے۔جیسا کہ فرمایا گیا: فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّأَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرُ ۔ (سبا:**17،16**)''لیکن انھوں نے روگردانی کی تو ہم نے

ان پرزور کے سیلاب (کا پانی) بھیج دیا اور ہم نے ان کے (ہرے بھرے) باغوں کے بدلے دو (ایسے) باغ دیے جو بدمزہ پھل اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں والے تھے۔ ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بدلہ انھیں دیا''۔

دنیا میں ہر دن ہم اپنی آنکھوں سے مختلف قسم کے حادثات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کسی کے گھر تباہ ہوتے، کسی کو حادثہ کا شکار ہوتے، کسی کو موذی مرض میں مبتلا ہوتے اور کسی کی تجارت کو نقصان ہوتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں۔ اس طرح کے حادثات کی ایک اہم وجہ انسانوں کے گناہ اور ان کے اعمالِ بد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا: وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ ۔(الشوری:**30**) ''تمھیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما لیتا ہے''۔

3۔ گناہوں کی وجہ سے انسان بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَا ظَھَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِیْ قَوْمٍ حَتّٰی اَعْلَنُوْا بِھَا اِلَّا ابْتُلُوْا بِالطَّاعُوْنِ وَالْاَوْجَاعِ الَّتِیْ لَمْ تَکُنْ فِیْ اَسْلَافِھِمُ الَّذِیْنَ مَضَوْا ۔(ابن ماجہ: کتاب الفتن: **4155**) ''جب کسی قوم میں زنا اور بدکاری عام ہو جاتی ہے، اور لوگ کھلے عام اس کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر طاعون اور ایسی مہلک بیماریاں مسلط کر دیتا ہے جو پہلے لوگوں میں نہیں تھیں''۔

دورِ حاضر میں آئے دن ایسی خطرناک بیماریوں کا انکشاف ہو رہا ہے جن سے پچھلے لوگ واقف نہیں تھے، یہ دراصل انسانوں کے گناہوں کا نتیجہ ہے۔

4۔ گناہ گار سے ساری دنیا نفرت کرنے لگتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو جبریلؑ سے کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، تو سارے آسمان والوں کے نزدیک وہ بندہ محبوب بن جاتا ہے۔ پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے

۔اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو جبریلؑ سے کہتا کہ میں فلاں بندے کو ناپسند کرتا ہوں، لہٰذا تم بھی اس سے محبت نہ کرو۔ جبریلؑ اس سے محبت نہیں کرتے اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے نفرت کرتا ہے، تم بھی اس سے نفرت کرو، سارے آسمان والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس کے تعلق سے نفرت پیدا کر دی جاتی ہے''۔(صحیح مسلم: باب اِذاأحب الله عبداحببه اِلی عباده:6873)

5۔گناہ عذابِ الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَاِذَآ اَرَدْنَـآ اَنْ نُّهْـلِكَ قَـرْيَةً اَمَـرْنَـا مُتْـرَفِيْهَـا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۔(بنی اسرائیل:16) ''اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے متکبر خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں''۔

فرعون اور اس کی قوم کے ظلم سے نجات پا کر جب بنی اسرائیل صحرا و بیابان میں پہنچی، جہاں نہ رہنے کے لیے گھر تھے اور نہ کھانے پینے کا سامان تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بادلوں کے ذریعے سایہ فراہم کیا اور آسمان سے من وسلویٰ نازل فرما کر ان کی غذا کا انتظام کیا، جیسا کہ ارشاد ہے وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔(البقرۃ:57)''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ''۔

مگر جب بنی اسرائیل نافرمانی پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان سے یہ نعمتیں چھین لیں بلکہ انھیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۔(البقرۃ:59)''پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی، بدل ڈالا۔ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا''۔۔۔۔۔۔۔پھر اس قوم کو اس کی

نافرمانیوں کی وجہ سے چالیس سال تک جنگلوں میں بھٹکتے رہنا پڑا۔

قرآن مجید میں مختلف قوموں کا تذکرہ آیا ہے، جو اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے عذاب الٰہی کا لقمہ بنیں۔ارشادربانی ہے: فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ ۔(العنکبوت:40)''پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کرلیا''۔

6۔گناہوں کی وجہ سے دنیا کا نظام بھی متاثر ہوتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۔(الروم:41)''خشکی اورتری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا،اس لیے کہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ چکھادے، بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں''۔

7۔گناہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے آخرت تباہ وبرباد ہوجاتی ہے۔حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا:اِیَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا ۔(ابن ماجہ:باب ذکر الذنوب:4384)''گناہوں کو حقیر نہ جانو کیوں کہ اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ انھیں شمار کررہا ہے''۔

ایک دوسری روایت ہے،صحابہ کرامؓ کونصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:اِیَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ ، فَاِنَّهُنَّ یَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتّٰی یُهْلِكْنَهُ ۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترغیب فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر)''گناہوں کو معمولی نہ سمجھو، یہ گناہ جب ایک ایک کرکے کسی کے نامہ ٔاعمال میں جمع ہوجاتے ہیں تو اس کو ہلاک کردیتے ہیں''۔

رسول اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی ایمانی کیفیت اور عملی حالت میں تھوڑا سا فرق آگیا تھا۔گناہوں کی جو قباحت عہد نبوی میں لوگوں کے دلوں میں تھی،اس میں کچھ کمی آگئی تھی۔لوگ بعض گناہوں کو معمولی سمجھ کر ان کا ارتکاب کرنے لگے۔اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت انسؓ فرماتے ہیں :اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ أَعْمَالًا هِیَ أَدَقُّ فِیْ أَعْیُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ وَاِنْ كُنَّا نَعُدُّهَا فِیْ عَهْدِالنَّبِیِّ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ ۔(بخاری:باب مایتقی من محقرات الذنوب :6492)''تم کچھ ایسے گناہوں کا ارتکاب کررہے ہو جنھیں تم معمولی سمجھتے ہو، حالانکہ یہی وہ گناہ ہیں جنھیں ہم رسول اکرم ﷺ کے

زمانے میں تباہی کا باعث سمجھتے تھے‘‘۔

صحابہ کا دور خیر القرون سے تعلق رکھتا ہے، مگر اس میں کچھ بگاڑ پیدا ہوا تو اس کو دیکھ حضرت انسؓ نے مذکورہ تبصرہ فرمایا تھا۔ اگر موجودہ دور کے مسلمانوں کے اعمال دیکھتے تو معلوم نہیں حضرت انسؓ کا تبصرہ کیا ہوتا!

ہر انسان کے اعمال کا دفتر تیار کیا جا رہا ہے۔ قیامت کے دن سارے اعمال اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ ان ہی کے مطابق جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ ہوگا۔ گناہ گار بندے اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ کر کہیں گے: یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا۔ (الکہف: 49) ’’ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا عمل شمار کیے بغیر نہیں چھوڑا‘‘۔

یہ گناہوں کے چند اثرات تھے، جن کا مشاہدہ ہم دن رات کر رہے ہیں۔ ان اثراتِ بد کی وجہ سے ہم پریشان بھی رہتے ہیں اور ان سے دامن چھڑانے کی جستجو بھی رہتی ہے۔ مگر مرض کی صحیح تشخیص نہ ہونے کی وجہ سے ہماری نظر اپنے گناہوں کی طرف نہیں جاتی۔ عموماً ہمیں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ ہماری پریشانیاں ہمارے کرتوتوں کا نتیجہ ہیں۔ ہمیں اپنے گناہوں سے بچنا چاہیے، تبھی ہم راحت و سکون کی زندگی پا سکیں گے۔ اس کی بجائے ہماری نظر ان الجھنوں کی دوسری وجوہات کی طرف ہی عام طور پر ہوتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم گناہوں کی آلودگی سے اپنی زندگی کے آئینے کو صاف کریں۔ ہر چھوٹے بڑے گناہ کے داغ دھبے سے اپنی زندگی کو پاک رکھنے کی کوشش کریں۔ ان شاء اللہ یہ مبارک کوشش ہمیں دین و دنیا کی کامیابی سے ہم کنار کرے گی۔

دل میں پیدا ہونے والے برے خیالات کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔انسان کو گم راہ کرنے والی اوردین سے دوری کا باعث بننے والی چیزوں میں سب سے اہم چیز وسوسہ ہے۔

وسوسے کے اسباب : وسوسہ کے اسباب تین ہیں:

1۔نفسِ امارہ:اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۔ (ق:**16**)''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اوراس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں،ان سے ہم واقف ہیں''۔

سورۂ یوسف میں فرمایا گیا: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ۔(یوسف:**53**)''بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے''۔

2۔دوسرا سبب خود انسان ہے جو دوسرے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

3۔اور تیسرا سبب شیطان ہے۔ان دونوں کے بارے میں سورۂ ناس میں فرمایا گیا: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ، الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ، مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۔(الناس: **4** تا **6**)''(میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں)اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے،خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے''۔

وسوسے اور برے خیالات ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، یہاں تک کہ نیک لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِيْنُهُ مِنَ الْجِنِّ۔قَالُوْا:وَإِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ!وَقَالَ :وَإِيَّایَ ،اِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِیْ عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِیْ اِلَّابِخَيْرٍ ۔(مسلم:باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه: **7286**)''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ جنات میں سے اس کا ایک ساتھی مقرر کر دیا گیا ہے،(جو اس کو برائیوں پر آمادہ

کرتا رہتا ہے) صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں! میرے ساتھ بھی ایک جن لگا ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے میری حفاظت فرمائی ہے، وہ اب مجھے صرف بھلائی کا حکم دیتا ہے''۔

شیطان نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالنے کے لیے اسی وسوسے کا سہارا لیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۔ (طٰہٰ: 120) ''شیطان نے اسے وسوسہ میں مبتلا کیا، کہنے لگا: اے آدم! کیا بتاؤں تمھیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے؟''۔

صحابہ کرامؓ کے دلوں میں بھی برے خیالات اور وسوسے آیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں: لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وُسْوِسَ نَاسٌ وَكُنْتُ فِيْمَنْ وُسْوِسَ ۔ (مسند ابی بکر للمروزی) ''جب رسول اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو لوگوں کے دلوں میں مختلف قسم کے وسوسے پیدا ہونے لگے، میں بھی ان لوگوں میں سے تھا، جن کو برے خیالات آنے لگے تھے''۔

ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اِنِّیْ أُحَدِّثُ نَفْسِيْ بِالشَّيْءِ لَأَنْ أَكُوْنَ حُمَمَةً أَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ میں آگ میں جل کر کوئلہ بن جانا پسند کرتا ہوں مگر ان کو زبان پر لانا پسند نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ كَيْدَهُ اِلَى الْوَسْوَسَةِ ۔ ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے شیطان کے مکر کو وسوسے تک محدود کر دیا''۔ (ابوداؤد: باب فی رد الوسوسة: 5114)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اکرم ﷺ میرے گھر میں آرام فرما رہے تھے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو آپ ﷺ آہستہ سے اٹھے اور گھر سے نکل گئے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہونے لگا کہ کہیں آپ ﷺ کسی اور بیوی کے گھر نہ چلے گئے ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا..... آپ ﷺ نے اس چیز کو محسوس کیا، جب آپ ﷺ واپس آئے تو فرمایا: أَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ ؟ اے عائشہ! کیا تمھارے پاس تمھارا شیطان آیا تھا؟ وہ پوچھتی ہیں: أَوَمَعِيَ شَيْطَانٌ ؟ کیا میرے ساتھ شیطان

ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا: ''کیا ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ پوچھتی ہیں: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، لیکن میرے پروردگار نے اس کے شر کے مقابلے میں میری مدد فرمائی، یہاں تک کہ وہ میرا فرماں بردار ہو گیا ہے''۔(مسلم: باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ :7288)

حضرت علی بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے رات کے وقت مسجد آئیں، آپ ﷺ اعتکاف میں تھے، ضروری گفتگو کرنے کے بعد جب وہ واپس ہونے لگیں تو آپ ﷺ ان کے ساتھ ہو لیے، جب آپ ﷺ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو وہاں سے دو انصاری صحابہ کا گزر ہوا، انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر سلام کیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کو روک کر کہا: یہ میری بیوی صفیہؓ ہے۔ ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الشَّیْطَانَ یَبْلُغُ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَبْلَغَ الدَّمِ وَاِنِّی خَشِیْتُ اَنْ یَّقْذِفَ فِیْ قُلُوْبِکُمَا شَیْئًا ۔(بخاری: باب هل يخرج المعتكف لحوائجه الى باب المسجد: 2035) ''بے شک شیطان ابن آدم کے جسم میں ویسے ہی دوڑتا ہے جیسے رگوں میں خون دوڑتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تمھارے دلوں میں کوئی برا خیال نہ پیدا کر دے''۔

شیطانی وسوسے: شیطان مختلف طریقوں سے دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

1۔ عقائد کے بارے میں وسوسہ ڈالتا ہے: حدیث میں آتا ہے کہ شیطان انسان کے پاس آتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا، فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ یہ وسوسہ بھی دل میں پیدا کرتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی کے دل میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو اسے چاہیے ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ'' پڑھے اور اس خیال سے باز آ جائے''۔(بخاری: باب صفة ابليس وجنوده: 3276)

2۔<u>عبادات کے بارے میں</u>: حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب موذن اذان دینے لگتا ہے تو شیطان اذان سن کر دور بھاگ جاتا ہے، اتنی دور چلا جاتا ہے جہاں اسے اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی، پھر جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو واپس آجاتا ہے اور انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے، پھر جب اقامت ہوتی ہے تو چلا جاتا ہے، جب اقامت ختم ہوجاتی ہے تو آجاتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔(مسلم: بـــاب فـضـل الأذان وهـرب الشيطان عند سماعه: **882**)

3۔<u>دین کے مختلف مسائل کے بارے میں بھی وسوسے ڈالتا رہتا ہے</u>: طویل حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان راہِ حق میں وسوسوں کے ذریعے رکاوٹیں ڈالتا رہتا ہے، جب بندہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہتا ہے: کیا تم اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ کر ایک نیا دین قبول کرلو گے؟ (ایسا مت کرو) مگر بندۂ حق شناس اس کے فریب کو ٹھکرا کر اسلام قبول کرلیتا ہے۔ پھر جب اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہجرت کرنا چاہتا ہے تو شیطان اس سے کہتا ہے کہ ہجرت کرجاؤ گے؟ (اپنے محبوب وطن کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟ معلوم نہیں نئی سرزمین میں تمھارے لیے کیا کیا دشواریاں پیش آئیں گی، اس لیے تم اسی وطن میں رہو) بندۂ مومن اس کی اس بات کو بھی نظرانداز کرکے ہجرت کرتا ہے ۔ پھر اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان جان ومال کی محبت اس کے دل میں پیدا کردیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں تو تمھارے لیے بڑے خطرات ہیں۔ تمھاری جان اور مال ضائع ہوجائیں گے۔ پھر تمھیں اپنے بیوی بچوں اور رشتے داروں سے بھی بچھڑنا پڑے گا۔ جب بندہ اس مرحلہ میں بھی اس کو شکست دے کر آگے بڑھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو (شیطان مایوس ہوجاتا ہے) ۔آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے (ان تمام مراحل میں شیطان کا مقابلہ کیا اور) راہِ حق پر ثابت قدم رہا اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کردے''۔(نسائی: بـاب مـالـمـن أسلم وهاجر وجاهد: **3147**)

وسوسوں سے بچنے کی اسلامی تدابیر: زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے میں ہر انسان کو

وسوسوں سے گزرنا پڑتا ہے ،مگر انسان کو چاہیے کہ جب بھی اس طرح کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوں، ان کو زبان پر نہ لائے اور ان پر عمل کرنے سے اجتناب کرے۔یہی ایمان کی دلیل ہے۔حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے شکایت کی کہ:''ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے خیالات پاتے ہیں، جنھیں زبان پر لانے کو ہم گناہ سمجھتے ہیں۔آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم اس کیفیت کو محسوس کرتے ہو؟ صحابہؓ نے کہا: ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کیفیت کا احساس تو صریح ایمان کی دلیل ہے''۔(مسلم:باب بیان الوسوسة فی الإیمان ومایقوله من وجدها:**357**)

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ایک دوسری روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰـهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِیُ عَمَّا وَسُوَسَتُ أَوُحَدَّثَتُ بِهِ أَنُفُسُهَا مَالَمُ تَعُمَلُ بِهِ أَوُ تَکَلَّمَ ۔(بخاری:باب إذاحنث ناسیافی الإیمان: **6664**)''اللہ تعالیٰ میری امت کے لیے ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ وہ ان پر عمل نہ کریں اور انھیں اپنی زبان پر نہ لائیں''۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے دل سے ان خیالات کو دور رکھنے کے جو تدابیر بتلائے گئے ہیں، ان پر عمل کرے۔اس سلسلے کی چند تدابیر یہ ہیں۔

1۔شیطانی وساوس سے ہمیشہ اللہ کی حفاظت طلب کرنا چاہیے اور دل میں جب بھی برا خیال آئے تو ''اعوذبالله من الشیطان الرجیم'' پڑھ لینا چاہیے۔جیسا کہ ارشاد ہے: وَاِمَّا یَنُزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیُطٰنِ نَزُغٌ فَاسُتَعِذُ بِاللّٰهِ ۔(الأعراف:**200**)''اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے''۔

حضرت عثمان بن ابي العاصؓ نے شکایت کی :اے اللہ کے رسول ﷺ شیطان میرے اور نماز کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، اور مجھ پر قراء ت کو مشتبہ کر دیتا ہے، (ایسی صورت میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خنزب نامی شیطان ہے، (جو نماز میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے) جب اس طرح کے وسوسے آئیں تو ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیُطَانِ الرَّجِیُمِ'' پڑھ لو، اور اپنے بائیں جانب تھوتھو کرو۔حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی اس نصیحت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ

کیفیت ختم کردی۔(مسلم: باب التعوذمن شیطان الوسوسة فی الصلاة:5868)

2۔شیطانی وسوسے کا ایک اہم سبب ایمان کی کم زوری ہے،اس لیے جب بھی دل میں برے خیالات پیدا ہوں اپنے ایمان کو تازہ کرلینا چاہیے۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: شیطان تمھارے پاس آتا ہے اور دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ جب وہ کہتا ہے کہ اللہ نے پیدا کیا،تو پھر شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ جب وہ کہتا ہے کہ اللہ نے پیدا کیا تو پھر شیطان کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر دل میں ایسا خیال آئے تو فوراً کہو: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۔''میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں''۔(الجامع الصغیر:2537)

3۔ارادے کی کم زوری اور یقین کی کمی کی وجہ سے بھی وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ایسے موقع پر مومن کو چاہیے کہ اپنے دل سے شک کی کیفیت کو ختم کرے اور یقین کی کیفیت پیدا کرے۔خصوصاً نماز میں ہوا خارج ہونے کا وسوسہ ہو تو فرمایا گیا کہ اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک کہ بو محسوس نہ کرے یا آواز نہ سن لے''۔

4۔صدقہ اور خیرات بھی وسوسوں کو دور کرنے کا ایک ذریعہ ہے،خصوصا تاجروں کو آپ ﷺ نے یہ وصیت فرمائی کہ شیطانی وساوس سے بچنے کے لیے صدقہ وخیرات کیا کریں۔حضرت قیس بن ابوغرزہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الشَّيْطَانَ وَالْاِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشَوِّبُوْا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ ۔(ترمذی:باب ماجاء فی التجار وتسمیة النبی ﷺ إیاهم:1250)''اے تاجروں کی جماعت! خرید وفروخت کے وقت شیطان اور گناہ موجود رہتے ہیں۔اپنی خرید وفروخت کے وقت کچھ صدقہ وخیرات کردیا کرو''۔

موجودہ دور بڑا نازک ترین دور ہے۔ایمان کی کم زوری کی وجہ سے ہم میں سے اکثر لوگ وسوسوں کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔خصوصاً مردوں سے زیادہ عورتیں اس آزمائش میں مبتلا ہوتی رہتی ہیں۔انھیں چاہیے کہ وہ مذکورہ تدابیر اختیار کرکے شیطانی خیالات سے دل ودماغ کو صاف ستھرا رکھنے

کی کوشش کریں اوراس سلسلے میں ہر طرح کی غیر اسلامی حرکتوں سے پرہیز کریں۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں
شیطانی وساوس سے محفوظ رکھے۔ آمین

ہر مومن صبح سے لے کر شام تک بہت سی نیکیاں کرتا ہے مگر نیکیوں کی حفاظت کی فکر بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے، کیوں کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور آدمی کا کیا کرایا سب پانی میں مل جاتا ہے۔ ذیل میں بربادیٔ اعمال کا باعث بننے والے چند گناہوں کا ذکر کیا جارہا ہے:

(1) شرک : سورۂ زمر میں فرمایا گیا: وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔(65) ''یقیناً (اے محمد ﷺ!) آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔

سورۂ انعام میں اٹھارہ انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا: وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔(88) ''اور اگر بالفرض یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ نیک اعمال کرتے تھے، وہ سب اکارت ہو جاتے''۔

زمانۂ جاہلیت میں ابن جدعان نامی ایک شخص تھا جو بڑا سخی تھا، ہر کارِ خیر میں پیش پیش رہتا اور غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور رشتے داروں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس کی یہ نیکیاں قیامت کے دن اس کے کچھ کام آئیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۔(مسلم: باب الدليل على ان من مات على الكفر لاينفعه عمله: 540) ''نہیں! کیوں کہ اس نے کبھی نہیں کہا: اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو درگزر فرما''۔ (یعنی اس نے کبھی اللہ کی عبادت نہیں کی، بلکہ اس کی ساری زندگی شرک میں بسر ہوی)۔

غیراللہ کی عبادت کرنا اوراس کے لیے سجدہ کرنا ہی شرک نہیں بلکہ اللہ کے علاوہ کسی بھی زندہ یا مردہ شخص کو مصیبت اور پریشانی میں پکارنا یا اس سے دعا کرنا بھی شرک ہے۔اسی طرح غیراللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ بیماری اور مصیبت کو دور کر سکتے ہیں، یا اولاد عطا کر سکتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے۔اس طرح کا شرک آج مسلمانوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس عقیدے کے ساتھ اولیاء کی قبروں اورمزاروں پر حاضری دیتی ہے کہ ان میں مدفون اولیائے کرامؒ مصیبتیں دور کر سکتے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سورۂ یوسف میں فرمایا گیا: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۔(106)''ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے مشرک ہی ہیں''۔

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

'' آج کے قبر پرستوں کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفاتِ الوہیت کا حامل سمجھ کر مدد کے لیے پکارتے ہیں اورعبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجالاتے ہیں''۔ (تفسیر احسن البیان: ص: 708)

کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں جو صوم وصلاۃ کے پابند ہوتے ہیں مگر ذرا سی تکلیف پہنچ جائے اورکوشش کے باوجود وہ تکلیف دور نہ ہوتو فوراً مزاروں کا یا نام نہاد ولیوں کا رخ کرتے ہیں۔یہ وہ شرکیہ اعمال جن کی وجہ سے انسان کے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔

(2) جادوگروں اور کاھنوں کے پاس جانا: معاشرے میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو غیب دانی اور پوشدہ امور کو جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو نجومی، کاہن یا جادوگر ہوتے ہیں۔کچھ ایسے ہی نجومی اور کاہن لوگ پامسٹ اور پروفیسروں کے بورڈ لگا کر'' جو چاہو سو پوچھو یا ہر قسم کی مراد پوری ہوگی'' کے دعوے کرتے ہیں۔پریشان حال اورمصیبت زدہ انسان اپنی پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں، ان سے علاج کرواتے ہیں، اپنی گم شدہ چیزوں کا پتا ان سے معلوم کرتے ہیں اوران سے اپنی قسمت کا حال دریافت کرتے ہیں۔

ان کاہنوں کے پاس جا کر علاج کرانا اوران سے اپنی قسمت کا حال دریافت کرنے کے لیے ہاتھ دکھانا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو بربادیٔ اعمال کا سبب بنتی ہیں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ أَتیٰ عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاَةٌ أَرْبَعِينَ يَوْمًا۔(مسلم:باب تحريم الكهانة واتيان الكهان: 5057)''جو شخص کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھے اوراس کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرے تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوگی''۔

اورایک روایت میں ہے:مَنْ أَتیٰ كَاهِنًا أَوْ عَرَّافاً فَصَدَّقَهُ بِمَايَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلىٰ مُحَمَّدٍ ﷺ۔(مسنداحمد)''جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس کسی بابت پوچھنے کے لیے گیا اور پھراس کے جواب کی تصدیق بھی کی تو اس نے محمد ﷺ کی لائی ہوی شریعت کا انکار کیا''۔

(3)**بدعت** : اسلام ایک مکمل دین ہے،اس میں کسی حذف واضافہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اب اگرکوئی شخص دین میں حصولِ ثواب کے لیے کوئی نیا طریقہ ایجاد کرے تو اسے''بدعت'' کہتے ہیں،جس سے اعمال ضائع اور برباد ہوجاتے ہیں۔صحیح بخاری کی مشہور روایت ہے کہ تین صحابہؓ نے حضرت عائشہؓ کے پاس آ کر رسول ﷺ کی عبادات کا حال دریافت کیا،حضرت عائشہؓ نے مختصر الفاظ میں انھیں آپ ﷺ کی عبادات کا حال بتایا۔وہ لوگ ان عبادات کو کم سمجھنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیے ہیں،ہمیں نیک،عبادت گزاراور زاہد بننے کے لیے زیادہ سے زیادہ عبادتیں کرنی پڑیں گی۔ان میں سے ایک نے کہا:میں ہمیشہ قیام اللیل(تہجد) کا اہتمام کروں گا رات میں کبھی نہیں سوؤں گا۔دوسرے نے کہا:میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی ترک نہیں کروں گا۔تیسرے نے کہا:میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا زندگی بھر کبھی شادی نہیں کروں گا۔جب آپ ﷺ کو ان کی اس گفتگو کا علم ہوا تو فرمایا:أَمَا وَاللّٰهِ! إِنِّیْ لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لٰكِنِّیْ أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّیْ وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ ۔(بخاری:باب الترغيب فی النكاح: 5063)''سنو!اللہ کی قسم!میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں

،اس کے باوجود میرا یہ حال ہے کہ میں کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی ترک بھی کرتا ہوں، رات کا کچھ حصہ نماز پڑھتا ہوں اور کچھ حصہ آرام کرتا ہوں اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں، (یہ میرا طریقہ ہے) جو میرے اس طریقے سے منہ موڑے، وہ میری امت میں سے نہیں ہے''۔

آج مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے میں نئے نئے طریقے اور بدعتیں ایجاد کر لی ہیں، پیدائش سے لے کر وفات تک اور وفات کے بعد بھی بدعتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ ہندوؤں کے پاس جتنی رسمیں ہیں، تقریبا وہ ساری رسمیں مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فاتحہ، گیارہویں، بارہویں، چالیسواں، چھلہ چھٹی، برتھ ڈے وغیرہ یہ سب ایسی بدعات ہیں جو اعمال کو ضائع کرنے والی ہیں۔ قیامت کے دن جب اللہ کے رسول ﷺ اپنے امتیوں کو حوض کوثر سے پانی پلا رہے ہوں گے، اس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئیں گے، آپ ﷺ انھیں اپنے حوض سے پانی پلانا چاہیں گے، فرشتے ان کو پیچھے سے گھسیٹ کر دور کر دیں گے، رسول اکرم ﷺ فرمائیں گے: انھیں چھوڑ دو، یہ میری امتی ہیں۔ فرشتے کہیں گے: اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَکَ ۔ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔ اس پر آپ ﷺ فرمائیں گے: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ۔ ''دوری ہو ان لوگوں کے لیے جو میرے بعد بدل گئے''۔ (بخاری: باب فی الحوض: 6576)

(4) اسلام کے مقابلے میں کسی دین یا تہذیب کو پسند کرنا، یا اسلام کی کسی تعلیم کو ناپسند کرنا یا اس کا مذاق اڑانا: اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ ارشاد ہے: وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْإِسْلَامَ دِیْناً ۔ (المائدۃ: 3) ''اور میں تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا''۔

اسی دین کو اپنانے میں دنیوی فلاح اور اخروی نجات ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۔ (85) ''جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا''۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! دیکھیے اس میں کتنی اچھی بات لکھی ہوی ہے، پھر اس کو پڑھنے لگے، آپ ﷺ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا، فرمایا: أَفِيْ شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ خَطَّابٍ! أَلَمْ آتِ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً لَوْ كَانَ أَخِيْ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ ۔ ''اے خطاب کے بیٹے! کیا (میری شریعت کے کامل ہونے میں) تمھیں شک ہے؟ کیا میری شریعت واضح نہیں ہے؟ سن لو! اگر اس وقت موسیٰؑ بھی بقید حیات ہوتے تو ان کے لیے بھی ضروری ہوتا کہ میری اتباع کرتے''۔ (ارواء الغلیل: 1589)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عمرؓ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یہود ونصاری کی کچھ تعلیمات ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ہم انھیں بھی لکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَمُتَهَوِّكُوْنَ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ ۔ ''کیا تم بھی اسی طرح بے راہ روی کا شکار ہونا چاہتے ہو جیسا کہ یہود ونصاری بے راہ روی کا شکار ہوے، حالانکہ میں تمھارے پاس ایک روشن اور واضح شریعت لے کر آیا ہوں، اگر اس وقت موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے ان کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ میری لائی ہوی شریعت پر عمل کریں''۔ (احمد و بیہقی: مشکاۃ المصابیح: 177)

آج مسلم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اسلامی تعلیمات کی بجائے مغربی تہذیب کو نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے بلکہ اسے فخر کے ساتھ اپناتی بھی ہے۔ یقیناً یہ چیز نیکیوں کو برباد کرنے کا سبب بنے گی۔

کچھ جدت پسند ایسے بھی ہیں جو مغربی تہذیب سے مرعوبیت کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کو ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہیں، مثلا: ڈاڑھی، پردہ، تعدد ازدواج، حدود وتعزیرات وغیرہ یہ ساری تعلیمات انھیں اپنی ناقص عقل کے منافی معلوم ہوتی ہیں، جس کی بنا پر ان کو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا: ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (محمد: 9) ''یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوے، پس اللہ نے (بھی) ان کے

اعمال ضائع کر دیے''۔

اور جولوگ اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے بارے میں کہا گیا: ’قُلُ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُوْلِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُ وْنَ. لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ. (التوبہ:66،65)''کہہ دیجیے کہ کیا اللہ ،اس کی آیتیں اوراس کا رسول ہی تمھارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ۔یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے''۔

(5) ریاکاری : ریا کاری کا مطلب یہ ہے کہ نیک کام اللہ کو خوش کرنے کی بجائے کسی دنیوی غرض کے لیے کیا جائے۔اس سے بھی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ ۔(مسلم:باب من أشرك فى عمله غيرالله:7666)''میں شرک سے بیزار ہوں، جوکوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرے تو میں اس کو اور اس میں میرے حصے کو ترک کر دیتا ہوں''۔

قیامت کے دن جن لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ ہوگا ان میں ایک عالم ،دوسرا مال دار اور تیسرا وہ شخص ہوگا جو اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کیا ہوگا۔اللہ تعالیٰ تینوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر پوچھے گا کہ تم نے میرے دین کے لیے کیا کیا؟ عالم کہے گا کہ میں نے تیرے دین کو عام کیا۔مال دار کہے گا کہ خیر کے تمام راستوں میں میں نے اپنا مال خرچ کیا۔اور تیسرا کہے گا کہ میں نے دین کی سربلندی کی خاطر لڑتے لڑتے اپنی جان قربان کر دی۔اللہ تعالیٰ تینوں سے کہے گا کہ تم جھوٹے ہو،تم نے یہ سارے کام اس لیے کیے کہ لوگ تمھیں عالم اور قاری کہیں ، مال دار اور سخی کہیں اور بہادر اور طاقت ور کہیں ، اور یہ چیز تمھیں دنیا میں حاصل ہوگئی،(ان کی یہ ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں گی) پھر انھیں فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں داخل کر دیں گے''۔(مسلم:باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار:5032)

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔جب وہ یہ حدیث بیان کرتے تو (ریا کاری کے اس انجام کو سوچ کر)ان پر تین تین چار چار مرتبہ غشی طاری ہو جاتی اور وہ بے ہوش ہو جاتے۔

حضرت معاویہؓ نے جب یہ حدیث سنی تو کہنے لگے: قَدْ فَعَلَ بِهٰؤُلَاءِ هٰذَا فَكَيْفَ بِمَنْ بَعْدَهُمْ، ثُمَّ بَكىٰ مُعَاوِيَةُ بُكَاءً شَدِيْدًا، يَقُوْلُ الرَّاوِيْ :حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ۔ ''ان لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا، ان کے بعد آنے والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ پھر حضرت معاویہؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اس قدر روئے کہ راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہونے لگا کہ کہیں فوت نہ ہو جائیں''۔

قیامت کے دن ریا کار بری طرح رسوا ہوں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''مجھے تمھارے بارے میں سب سے زیادہ شرک اصغر کا ڈر ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے کہا: شرک اصغر ریا کاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے لوگوں سے کہے گا: اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاءُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً۔ ''ان لوگوں کے پاس جاؤ، جن کو خوش کرنے کے لیے تم دنیا میں نیکیاں کیا کرتے تھے، اور دیکھو وہ تمھیں کیا بدلہ دیتے ہیں۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: 2435)

ریا کاری سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اَلشِّرْكُ فِيْكُمْ أَخْفىٰ مِنْ دَبِيْبِ النَّمَلِ ۔ ''شرک (ریاکاری) تمھارے اعمال میں چیونٹی کی چال سے بھی کہیں زیادہ آہستگی کے ساتھ سرایت کرتا جاتا ہے (اس کا احساس بھی نہیں ہوتا)''. پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وَسَأَدُلُّكَ عَلىٰ شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتَهُ أَذْهَبَ عَنْكَ كِبَارَ الشِّرْكِ وَصِغَارَهُ تَقُوْلُ :اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ وَأَنَا أَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ۔ (الجامع الصغیر: 6044) ''میں تمھیں ایک ایسی دعا بتلاتا ہوں کہ اگر تم اس کا اہتمام کرو گے تو شرک اکبر اور شرک اصغر دونوں سے محفوظ رہو گے، تم یہ دعا پڑھتے رہو: ''اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس شرک سے جس کو میں جانتے بوجتے انجام دوں اور تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، ان گناہوں سے جو ان جانے میں مجھ سے سرزد ہو جائیں''۔

(6) **صدقہ کرنے کے بعد احسان جتلانا**: حاجت مندوں کی مدد کرنا، مصیبتوں میں

ان کے کام آنااوران کی ضرورت پوری کرنا اجر وثواب کا کام ہے، مگرصدقہ وخیرات کرنے کے بعداحسان جتلانا ایسا گناہ ہے جس سے نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

یـاَ یُّهَـا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقَاتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالأذیٰ . (البقرہ:264)''اے ایمان والو! اپنی خیرات کواحسان جتا کراورایذا پہنچا کر برباد نہ کرو''۔

اس سے پہلے والی آیت میں ارشاد ہے: قَـوۡلٌ مَّـعۡـرُوۡفٌ وَّمَـغۡـفِرَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ صَدَقَۃٍ یَّتۡبَعُهَا أَذًی. (البقرہ: 263) ''نرم بات کہنااورمعاف کردینااس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعدایذارسانی ہو''۔

(7)تنہائی میں موقع پاکر برائی کرنا : تنہائی میں لوگوں کی نظروں سے بچ کرنیکی کرنا بہت بڑی نیکی ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کواپنے سایے میں جگہ دے گا ۔وَرَجُـلٌ ذَکَـرَاللّٰـهَ خَالِیًا فَفَاضَتۡ عَیۡنَاهُ ۔(مسلم:بـاب اِخفاء الصدقة: 2427)''وہ آدمی جوتنہائی میں اللہ کو یادکیااوراس کی آنکھوں سے آنسوجاری ہوگئے''۔

اسی طرح تنہائی میں لوگوں کی نظروں سے بچ کر برائی کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔کچھ لوگ بظاہر بڑے نیک معلوم ہوتے ہیں،صوم وصلاۃ کے پابند ہوتے ہیں، یہاں تک کہ نوافل اورتہجد کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔مگر جیسے ہی تنہائی میں موقع پاتے ہیں، برائیوں کاارتکاب کرنے لگتے ہیں،ایسے لوگوں کے اعمال بھی ضائع ہوجاتے ہیں۔حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے،جن کی نیکیاں تہامہ کے پہاڑوں کے برابرہوں گی،اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کوہوامیں ذروں کی طرح بکھیر دے گا۔ثوبانؓ نے کہا:اے اللہ کے رسول ﷺ! ذرا ہمیں وہ لوگ بتلایئے تاکہ ہم ان سے محفوظ رہیں، اور ہماراشماران میں نہ ہوجائے۔آپ ﷺ نے فرمایا:أَمَا اِنَّهُمۡ اِخۡوَانُکُمۡ وَمِنۡ جَلۡدَتِکُمۡ وَیَأۡخُذُوۡنَ مِنَ اللَّیۡلِ کَمَا تَأۡخُذُوۡنَ وَلٰکِنَّهُمۡ أَقۡوَامٌ اِذَا خَـلَوۡا بِمَحَارِمِ اللّٰهِ انۡتَهَکُوۡهَا ۔''وہ تم ہی میں سے ہیں اورتمھارے ہی بھائی ہیں اورتمھاری ہی طرح راتوں میں عبادتیں بھی کرتے ہیں مگر جب وہ تنہائی میں موقع پاتے ہیں تواللہ کی حرمتوں کو پامال

کردیتے ہیں‘‘۔(ابن ماجہ: کتاب الزھد:4386)

موجودہ دور میں برائیوں کے راستے بے شمار ہیں۔موبائیل فون ،ٹی وی، انٹرنیٹ وغیرہ فحاشی اور گناہ کے بڑے ذرائع بن چکے ہیں۔انٹرنیٹ کا استعمال اچھے کاموں سے کہیں زیادہ گناہ کے کاموں کے لیے کیا جاتا ہے۔اس کی وجہ سے بند کمروں میں بیٹھ کر ہرطرح کی برائی اب ممکن ہوگئی ہے۔ نوجوان اس مرض میں سب سے زیادہ مبتلا ہیں۔

(8)**شراب نوشی**: شراب نوشی ساری برائیوں کی جڑ ہے،اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے شراب نوشی کو ام الخبائث قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْخَمْرُ أُمُّ الْخَبَائِثِ فَمَنْ شَرِبَهَا لَمْ تُقْبَلْ صَلَاتُهُ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فَإِنْ مَاتَ وَهِيَ فِيْ بَطْنِهٖ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً ۔(صحیح الجامع الصغیر: 3344)’’شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے۔جو شخص شراب پیتا ہے اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو گویا وہ جاہلیت کی موت مرا‘‘۔

(9)**بندوں کے حقوق کی پامالی**: حقوق اللہ کی طرح حقوق العباد کی ادائی بھی بہت اہم ہے۔بندوں کے حقوق کی ادائی میں غفلت بھی اعمال کی بربادی کا باعث ہے۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ ؟ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ ۔ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار (روپیہ پیسہ) اور مال و متاع نہ ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ يَّأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّيَأْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ (مسلم: باب تحریم الظلم: 6744)’’میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ کی شکل میں ڈھیر ساری نیکیاں لے کر آئے گا مگر ساتھ ہی وہ کسی کو گالی دیا ہوگا، کسی پر الزام تراشا ہوگا، ناحق کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، جس کے نتیجے میں اس کی نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم

کردی جائیں گی جن پراس نے زیادتی کی ہوگی،اورحقوق دلوائے جانے سے قبل اگراس کی نیکیاں ختم ہوجائیں توان مظلوموں کے گناہ اس کے سرتھوپ دیے جائیں گے، پھراس کوجہنم میں پھینک دیا جائے گا‘‘۔

یہ چندایسے گناہ ہیں جونیکیوں کوضائع اور برباد کرنے والے ہیں۔نیکیوں کی حفاظت اوران کی قبولیت کے لیےضروری ہے کہ ان سے اجتناب کیا جائے۔

کم عقل انسان بھی جب کوئی قیمتی چیزخریدتا ہےتواس کی حفاظت کی فکر کرتا ہے۔اگراس کے گھر میں کوئی قیمتی چیز ہوتو اس کی حفاظت کے لیے ہرممکن کوشش کرتا ہے،تا کہ یہ قیمتی سامان چوری نہ ہو۔ دنیا کے معاملات میں کس قدر چالاک ہیں مگر دین کے معاملے میں کس قدرغفلت کا شکار ہیں کہ نیکیاں تو کرتے ہیں مگران کی حفاظت کی ہمیں کوئی فکرنہیں ہوتی۔یہ سارے گناہ گویا کہ ہماری نیکیوں کولوٹنے والے ہیں۔ہمیں چاہیے کہ اپنی نیکیوں کوان چوروں اورڈاکوں سے بچائیں تا کہ وہ محفوظ رہیں۔

اللہ ہمیں نیکیوں کوبربادکرنے والےاعمال سے محفوظ رکھے۔آمین ☼☼☼

وقت کی ناقدری

وقت اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے ۔ انگریزی میں کہاجاتا ہے: **"TAIME IS GOLD"** کہ وقت سونا ہے۔ اگر یہ کہاجائے کہ وقت سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ جناب محمد بشیر جمعہ لکھتے ہیں: ’’وقت کو دولت اور سونا کہنا بھی وقت کی ناقدری ہے ۔دولت اور وقت دونوں انسان کے لیے نعمتیں ہیں ۔دولت ظاہری نعمت ہے ۔یہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ملتی ہے،لیکن اوقات زندگی میں چوبیس گھنٹے ہر انسان کو مساوی ملتے ہیں‘‘۔(شاہ راہِ زندگی پر کامیابی کا سفر:۱۰) کوئی وقت کو برباد نہیں کرتا بلکہ وقت اسے برباد کرتا ہے۔لوگ سمجھتے ہیں کہ عمر بڑھتی ہے حالانکہ عمر گھٹتی رہتی ہے۔کسی شاعر نے کہا۔

عمر جتنی بڑھتی ہے اور گھٹتی جاتی ہے   سانس جو بھی آتا ہے لاش بن کے جاتا ہے

وقت کی قدر کر کے انسان بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے اور ناقدری کر کے ذلت ،پستی اور دنیوی واخروی خسارے سے دوچار ہوتا ہے۔عقل مند لوگ مال و دولت سے کہیں زیادہ اپنے وقت کی حفاظت کرتے ہیں، زندگی کا ایک ایک لمحہ انھیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث میں مختلف طریقوں سے وقت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

(1) قرآن مجید کی بعض سورتیں ایسی ہیں جن کے نام وقت پر دلالت کرتے ہیں،مثلاً: اَللَّیل، اَلْعَصر،اَلْفَجر، اَلضُّحیٰ ،اَلْاَحْقَاف،اَلشَّمْس،اَلْقَمَر،اَلنَّجم، اَلْقِیَامَة اوراَلْقَارِعَة وغیرہ ۔تقریباً بارہ سورتیں ایسی ہیں جن کے نام مختلف اوقات سے موسوم ہیں۔

(2) قرآن میں بے شمار مقامات پر اللہ نے وقت کی قسم کھا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔کہیں زمانے کی قسم کھائی ہے، کہیں دن اور رات کی اور کہیں صبح و شام کے متعلق مختلف اوقات کی قسم کھائی ہے۔

(3) اسلام نے تمام عبادات کو وقت کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔نماز دین کا دوسرا رکن اور اہم عبادت ہے۔اس کی ادائی مقررہ اوقات میں مطلوب ہے، نہ وقت سے پہلے اور نہ وقت کے بعد۔ چناں چہ ارشاد ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۔(النساء:103) ''یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے''۔حضرت ابوذر غفاریؓ کو وصیت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا : صَلِّ الصَّلَاۃَ لِوَقْتِھَا. ''نماز کو اس کے وقت (مقرر) پر ادا کرو''۔(نسائی:باب الصلاۃ مع أئمۃ الجور:786)

زکوٰۃ کی ادائی بھی مقررہ وقت پر ہونی چاہیے۔چناں چہ ارشاد ہے : وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ۔(الأنعام:141)''اور اس کے کاٹنے کے دن اللہ کا حق ادا کرو''۔

روزے کے آغاز اور اختتام کا تعلق بھی وقت سے ہے: وَکُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔(البقرۃ:187) ''تم کھاتے اور پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔پھر رات تک روزے کو پورا کرو''۔

حج کا وقت بتاتے ہوئے فرمایا گیا:اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۔(البقرۃ:197)''حج کے مہینے مقرر ہیں''۔

حج کے ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص سال بھر کعبۃ اللہ کا طواف کرتا رہے تو بھی وہ حج کا ثواب نہیں پا سکتا۔

(4) اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اور کائنات کا سارا نظام بھی وقت کا پابند ہے۔چناں چہ ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۔ (لقمان:29) ''کیا آپ ﷺ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے،سورج چاند کو اسی نے فرماں بردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے''۔

(5) انسانی جسم کا نظام بھی وقت کا پابند ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص پر پہلے بڑھاپا پھر جوانی اور بچپن طاری ہوا ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی زندگی کا ایک وقت مقرر کیا ہے۔ ہر شخص کی زندگی اپنے وقت کی پابند ہے: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا. (المنافقون: 11) ''اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیتا''۔

(6) قیامت کے روز ہر انسان سے جو سوالات کیے جائیں گے، ان میں سے دو کا تعلق وقت سے ہوگا۔ ایک عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری اور دوسرا جوانی کے متعلق کہ کن کاموں میں بسر کی: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ ۔(ترمذی:باب فی القیامۃ: 2601)

وقت کی اس قدر اہمیت کے باوجود سب سے زیادہ اس کی ناقدری انسان ہی کرتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ. (ابن ماجہ: کتاب الزھد :4309) ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ دھوکے میں ہیں، ایک صحت اور دوسری فرصت''۔

ماضی میں اہلِ اسلام کو اس دنیا میں جو عروج حاصل ہوا اور مسلمانوں نے جو حیرت انگیز ترقی کی اس کا ایک اہم سبب وقت کی قدر دانی اور اس کا صحیح استعمال ہے۔ سلف صالحین کے نزدیک زندگی کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی تھا۔ ایک منٹ کا ضائع ہونا بھی انھیں گوارا نہیں تھا۔ وہ آخری دم تک اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے۔

تابعین میں حضرت عامر بن قیسؒ زہد وتقوی میں مشہور تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا ''آؤ بیٹھ کر کچھ باتیں کریں''۔ انھوں نے جواب دیا ''تو پھر سورج کو ٹھہرالو''۔ یعنی زمانہ تو ہمیشہ متحرک رہتا ہے اور گزرا ہوا زمانہ لوٹ کر نہیں آتا۔ اس لیے ہمیں اپنے کام سے غرض رکھنی چاہیے اور بے کار باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ (شاہ راہِ زندگی پر کامیابی کا سفر: 13)

امام ابن القاسم جو امام مالکؒ کے مشہور شاگرد ہیں، حصول علم کے لیے اس وقت گھر سے نکلتے

ہیں جب کہ شادی ہوچکی ہے اور بیوی حاملہ ہے۔ سفر پر روانہ ہوتے وقت انھوں نے اپنی بیوی سے کہا: ''میں ایک طویل سفر پر روانہ ہورہا ہوں، معلوم نہیں کب لوٹوں گا۔ تمھیں اختیار ہے چاہے تو میری زوجیت میں رہو، یا تمھیں طلاق دے دوں، تاکہ کسی اور سے نکاح کرلو''۔ وفا شعار بیوی نے طویل جدائی کے اندیشے کے باوجود آپ کی زوجیت کو ترجیح دی۔ ابن القاسم امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلسل سترہ سال تک علم حاصل کرتے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طویل مدت کے بعد مصر سے ایک نوجوان ہمارے پاس آیا اور امام مالکؒ کو سلام کرنے کے بعد دریافت کیا کہ کیا آپ کے ساتھیوں میں ابن القاسم نامی کوئی شخص ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ نوجوان میرے قریب آیا اور میری پیشانی کا بوسہ لیا۔ میں نے اس سے ایک مانوس خوشبو محسوس کی۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ میرا ہی لخت جگر ہے جس کی پیدائش میرے گھر سے نکلنے کے بعد ہوئی تھی''۔ (اصلاح الامۃ: 199/1)

امام فخر الدین رازیؒ کی کتابوں کی تعداد ایک سو سے کم نہ ہوگی۔ صرف تفسیر کبیر تیس جلدوں میں ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کھانے پینے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے، میں ہمیشہ اس پر افسوس کرتا رہتا ہوں۔

ابن ابی حاتم الرازیؒ فرماتے ہیں: ''میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ درس میں شرکت کے لیے جارہا تھا۔ راستے میں ہماری نظر ایک مچھلی پر پڑی جو بہت پسند آئی۔ ہم نے اسے خرید لیا۔ گھر پہنچے تو درس کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم فوراً درس میں شرکت کے لیے بھاگ کھڑے ہوے۔ اس کے بعد ہم اس قدر مصروف ہوگئے کہ تین دن تک ہمیں فرصت ہی نہیں ملی۔ تین دن بعد جب گھر پہنچے تو مچھلی سڑنے کے قریب تھی۔ ہم نے اس کو ویسے ہی کھالیا، کیوں کہ ہمارے پاس اس کو پکانے کے لیے وقت نہیں تھا''۔ (سیر اعلام النبلاء: 361/19)

جب مسلمان ضیاعِ وقت میں مبتلا ہوگئے تو شکست و زوال سے دوچار ہوتے چلے گئے۔ اور یہ تاریخ انسانی کا وہ دور تھا جس میں یورپ اپنی طویل نیند سے بیدار ہوکر پورے جوش و خروش کے ساتھ

میدان میں سرگرمِ عمل تھا۔مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:''قوموں کی تاریخ اس دور میں نئے سرے سے ڈھل رہی تھی۔اس زمانے کا ایک ایک لمحہ کئی کئی دن اور ایک ایک دن کئی کئی برس کے برابر تھا،جس نے فرصت اور تیاری کا ایک لمحہ کھودیا اس نے ایک طویل زمانہ ضائع کر دیا۔افسوس کہ مسلمانوں نے اس وقت لمحات ضائع نہیں کیے بلکہ صدیاں ضائع کیں اور یورپین قوموں نے ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکنڈ کی قدر کی اور اس سے فائدہ اٹھایا اور صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی''.
(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر:193)

اس سے معلوم ہوا کہ مغربی دنیا کی ترقی کی بنیادی وجہ بھی وقت کا صحیح استعمال ہے۔آئن اسٹائن جس نے بیسویں صدی کی سائنس میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا،وہ اکثر آدھی رات تک کام میں مشغول رہتا۔

انیسویں صدی کا مشہور سائنس دان نیوٹن،جس نے قانونِ تجاذب کا نظریہ پیش کیا تھا اور بعد کے سائنسدان اسے اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں،اسے یہ بلند مقام کیسے حاصل ہوا؟اس پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ خود کہتا ہے:''مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ صرف اس وجہ سے کہ میں نے کائنات کو سمجھنے کے لیے انتھک جدوجہد کی۔اپنی مشہور کتاب **"PRINCIPIA"** کی تیاری کے دوران اٹھارہ مہینوں تک اس کا یہ حال تھا کہ وہ گھنٹوں بے حس وحرکت کھڑا ہو جاتا اور مسلسل لکھتا رہتا۔اس کو اتنا بھی ہوش نہیں رہتا تھا کہ قریب کی کرسی کھینچ کر بیٹھ جائے۔اس کے سکریٹری کی رپورٹ ہے کہ اس دوران بہت کم ایسا ہوا کہ وہ دو بجے سے پہلے بستر پر گیا ہو اور بسا اوقات پانچ چھے بھی بج جاتے تھے۔''(مومن کی تصویر،مولانا وحید الدین خاں:99)

ولیم ہرشل ایک جرمن سائنس دان گزرا ہے۔اس نے فلکیات کے مطالعے میں انسان کے علم کو بہت آگے بڑھایا۔معاشی تنگی کی وجہ سے اسکول کی تعلیم کے بعد وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ملازمت اختیار کرلی،لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے انیس سال کی عمر میں ملازمت بھی چھوڑنی پڑی۔اس کے بعد اس نے خاندانی پیشہ اختیار کیا اور وائلن بجانے لگا۔اسی دوران فلکیات کے موضوع

پر ایک کتاب اس کے ہاتھ لگی، جس کے بغور مطالعے کے بعد اس کو ستاروں کے مطالعے سے گہری دل چسپی ہوگئی۔ ستاروں کے مطالعے کے لیے دوربین ضروری تھی، مگر یہ اٹھارویں صدی کا زمانہ تھا جب کہ دوربین ابھی ابھی ایجاد ہوی تھی، اس کا حصول ناممکن تھا۔ ہرشل نے خود اپنی دوربین بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے متعلق فنی واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس نے ریاضی پڑھنی شروع کی اور لمبی محنت کے بعد خود اپنے ہاتھ سے دوربین تیار کی۔ ظاہر ہے کہ اس کی پہلی دوربین ابھی ناقص تھی، مگر وہ ہمت نہیں ہارا۔ دوربین کو ترقی دینے اور اس کو بہتر بنانے میں اس کا انہماک اتنا بڑھا کہ اس کا پورا گھر دوربین کا کارخانہ بن گیا۔ اس زمانے میں ہرشل کی مشغولیت کا یہ حال تھا کہ وہ کھانے کے لیے بھی اپنے ورکشاپ سے نہیں نکلتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بہن کو اکثر اس طرح اسے کھانے کے لیے آمادہ کرنا پڑتا تھا کہ وہ اپنے کام میں لگا رہتا اور بہن اس کے منہ میں لقمہ ڈالتی جاتی۔ اس کی ان ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس کو تاریخ میں وہ مقام حاصل ہوا، جس کو ایک مصنف نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے

"He had looked Further into space Than any other eye : had yet seen" کہ اس نے کائنات میں اتنی دور تک دیکھا جتنا اس سے پہلے کسی کی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا''۔ (مومن کی تصویر: **102،103**)

دورحاضر میں مسلمان ضیاعِ وقت کے معاملے میں سب سے آگے ہیں۔ رات دیر تک جاگنا اور صبح دیر تک سوتے رہنا مسلم نوجوانوں کی پہچان بن چکی ہے۔ ضیاعِ وقت کے لیے ان کے پاس بے شمار مصروفیات ہیں، مثلا دوست احباب کے ساتھ گپ شپ، ہنسی مذاق، کھیل کود، ٹی.وی، اور فلم بینی وغیرہ۔ اب تو موبائل اور انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔ معاملہ اور بھی خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے۔

علماء اور قائدین ملت کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک ان کے پاس کہیں بھی وقت کی پابندی نظر نہیں آتی۔ مسلمان تاجر ہوں یا کاری گر، اپنے پیشے کے معاملے میں وقت کی پابندی نہیں کرتے۔ ان کے ''کل'' میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ وہ بسا اوقات ''ہفتوں اور مہینوں'' تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے مدارس، دفاتر، اور اجتماعات وغیرہ

میں بھی بہت کم وقت کی پابندی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ امت کے نمائندہ اداروں کے پروگرام اوراجتماعات بھی گھنٹوں تاخیر سے شروع ہوتے ہیں۔'' چند سال پہلے رباط میں ''تنظیم اسلامی (O.I.C) کی ایک چوٹی کانفرنس ہوی،جس میں مسلم ممالک کے بادشاہ،صدروغیرہ شریک تھے۔یہ کانفرنس صرف ۹رگھنٹے تاخیر سے شروع ہوی!!!''۔(اکیسویں صدی میں اسلام،مسلمان اورتحریک اسلامی،ڈاکٹرنجات اللہ صدیقی،ص:21)

بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اجلاس کا آغاز دس بجے شروع ہونا مطلوب ہوتا ہے،اس کے لیے نو بجے کا وقت دیا جاتا ہے اور ماشاء اللہ مسلم عوام گیارہ بارہ بجے سے پہلے نہیں پہنچتی۔یہ صورت حال اس قوم کی ہے جس کے یہاں اوقات کی پابندی پر سب سے زیادہ زوردیا گیا ہے۔

وقت کی پابندی کے سلسلے میں کسی قوم کی مجموعی صورت حال اس قدر ابتر ہو،تو وہ قوم کیسے ترقی کرسکتی ہے۔موجودہ زوال اورپستی سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے اندر وقت کی قدر وقیمت کا احساس بیدار کیا جائے،اوراسے پروان چڑھانے کی ہرممکن کوشش کی جائے۔اس کے لیے امت کے قائدین،علماءاورذمہ داروں کو سب سے پہلے خود وقت کی قدر کرنے اوراس کی پابندی کرنے کی ضرورت ہے۔تبھی چل کرتعمیرِ ملت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے،ورنہ وقت بڑی تیزی سے گزرجائے گا اورامت زندگی کی دوڑ میں اب جہاں ہے اس سے کہیں زیادہ پیچھے ہوجائے گی۔ ✿✿✿

نماز میں خشوع اور خضوع

نماز دین کا ایک رکن ہے۔ شہادتین کے اقرار کے بعد سب سے پہلی چیز جو ایک مسلمان پر فرض ہوتی ہے، وہ نماز ہے۔ مومن کی زندگی سے نماز کا تعلق بڑا گہرا ہے۔ اگر نماز اس کے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کی جائے تو انسان کی زندگی پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ (العنکبوت:45) ''یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے''۔

بے حیائی اور برائی سے روکنے کی صلاحیت اسی نماز میں ہوتی ہے جو اس کے اوصاف کو ملحوظ رکھ کر پڑھی جائے۔ نماز کے ان اوصاف میں سے ایک اہم وصف خشوع اور خضوع ہے۔

خشوع کا مفہوم : خشوع اور خضوع کا مطلب ہے ''عاجزی اور انکسار، سکون و اطمینان، یکسوئی اور حضور قلب کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا۔ خشوع کا تعلق دل کے ساتھ جسم کے دیگر اعضاء و جوارح سے بھی ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا، آپؓ نے فرمایا: لَوْ خَشَعَ قَلْبُ ھٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ۔ (موسوعۃ البحوث والمقالات العلمیۃ: باب الخشوع) ''اگر اس کا دل خشوع سے معمور ہوتا تو اس کے اعضاء و جوارح پُرسکون رہتے''

۔

خشوع کسی خاص ہیئت اور کیفیت کا نام نہیں ہے۔ بعض لوگ نماز میں اپنے اوپر ایک مخصوص حالت طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے نماز میں خشوع پیدا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں جھکے جا رہا تھا، آپؓ نے فرمایا: یَا ھٰذَا! اِرْفَعْ رَأْسَكَ۔ فَاِنَّ الْخُشُوْعَ لَایَزِیْدُ عَلٰی مَا فِی الْقَلْبِ۔ ''اے نوجوان! اپنا سر سیدھا رکھ، خشوع یہ نہیں ہے، بلکہ خشوع تو حضورِ قلب میں اضافے کا نام ہے''۔ (الامر بالاتباع والنھی عن الابتداع)

اسی لیے حضرت ابوالدرداءؓ کہا کرتے تھے: أَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ۔ ''منافقانہ خشوع سے میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں''۔ پوچھا گیا: منافقانہ خشوع کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: أَنْ تَـرَى الْـجَسَـدَ خَـاشِعًا وَالْقَلْبُ لَيْسَ بِخَاشِعٍ۔ ''جسم تو بظاہر خشوع سے معمور معلوم ہو مگر دل خشوع سے خالی ہو''۔ (الامر بالاتباع والنھی عن الابتداع براویۃ احمد)

خشوع کی اہمیت اور فضیلت : علمائے سلف کا قول ہے: اَلْـخُشُوْعُ فِى الصَّلَاةِ بِـمَـنْـزِلَةِ الرُّوْحِ لِلْجَسَدِ۔ (الایضاح والتبیین لبعض صفات المؤمنین) ''نماز میں خشوع کو وہی مقام حاصل ہے جو جسم انسانی میں روح کو حاصل ہے''۔ یعنی خشوع نماز کی روح ہے، جس طرح روح کے بغیر جسم کی کوئی حیثیت نہیں، اسی طرح خشوع سے خالی نماز کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

کتاب وسنت میں خشوع وخضوع کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا: وَاسْتَعِيْـنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۔ (البقرۃ:45) ''صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو، یہ بڑی چیز ہے، مگر ڈر رکھنے والوں پر''۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا: عِـظْـنِـيْ وَأَوْجِزْ۔ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی مختصر اور جامع نصیحت کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا قُـمْـتَ فِيْ صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةِ مُوَدِّعٍ۔ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس (خشوع کے ساتھ) نماز پڑھو گویا کہ یہ تمھاری زندگی کی آخری نماز ہے۔ (ابن ماجہ: کتاب الزھد:4310)

خشوع کی اسی کیفیت کو ایک حدیث میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے اطراف صحابہ کرامؓ کا حلقہ تھا۔ حضرت جبرئیلؑ ایک اجنبی کی شکل میں تشریف لائے اور آپ ﷺ سے انھوں نے مختلف سوال کیے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا: مَـا الْإِحْسَـانُ ؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! احسان کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَنْ تَـعْبُـدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ کیفیت نہیں پیدا کر سکتے تو کم سے کم یہ

یقین تو رکھو کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔(بخاری:باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الإیمان:50)

مومن کی نماز میں جب خشوع کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو گویا وہ اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ الْمُصَلِّیَ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ ۔''نمازی حقیقت میں اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے''۔(سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ:1603)یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے بعض کہا کرتے تھے کہ جب میں اللہ سے ہم کلام ہونا چاہتا ہوں تو نماز پڑھنے لگتا ہوں۔

خشوع وخضوع کا اجر وثواب : سورۂ مومنون کی ابتدائی آیتوں میں اہل ایمان کی بہت سی صفات بیان کرنے کے بعد انھیں یہ بشارت سنائی گئی ہے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ، الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ، هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۔(المؤمنون:10،11)''یہی وہ لوگ ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے،جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

ان صفات میں پہلی صفت یہ بتائی گئی:الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔(المؤمنون:2) ''وہ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں''۔

خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز کی برکت سے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:مَا مِنِ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ تَحْضُرُهٗ صَلَاةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَیُحْسِنُ وُضُوْءَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَا لَمْ تُؤْتَ كَبِیْرَةٌ ۔(صحیح الجامع الصغیر:5686)''جس مسلمان کے لیے نماز کا وقت ہو جائے اور وہ اچھی طرح وضو کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرے اور سکون واطمینان کے ساتھ رکوع کرے (اور دیگر ارکان بجالائے) تو یہ نماز اس کے چھوٹے موٹے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہے، بشرطے کہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا ہو''۔

نماز میں جس قدر خشوع ہوگا اسی قدر اجر وثواب میں اضافہ ہوگا۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:لَیْسَ لَكَ مِنْ صَلَاتِكَ اِلَّا مَا عَقَلْتَ مِنْهَا ۔(33/سبباً للخشوع فی الصلاۃ)''تمھاری نماز کا تمھیں اسی قدر ثواب ملے گا جتنی توجہ سے تم نے نماز ادا کی ہے''۔

خشوع سے خالی نمازوں کا حال : نماز جس قدر خشوع وخضوع سے خالی ہوگی اسی قدر اس کے اجر وثواب میں کمی ہوگی۔سنن ابی داؤد کی حدیث ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّى الصَّلَاةَ مَا يُكْتَبُ مِنْهَا اِلَّا عُشْرُهَا وَتُسْعُهَا وَثُمُنُهَا وَسُبُعُهَا وَسُدُسُهَا وَخُمُسُهَا وَرُبُعُهَا وَثُلُثُهَا وَنِصْفُهَا ۔(صفۃ الصلاۃ للألبانی،بسند صحیح)''بندہ مومن نمازیں پڑھتا رہتا ہے،مگر ہر نماز کا ثواب(خشوع اورخضوع کے لحاظ سے)مختلف لکھا جاتا ہے،کسی کا دسواں حصہ،کسی کا نواں ،کسی کا آٹھواں ،کسی کا ساتواں،کسی کا چھٹا،کسی کا پانچواں،کسی کا چوتھا،کسی کا تیسرا اور کسی کا نصف حصہ ثواب لکھا جاتا ہے''۔

آپ ﷺ نے اس شخص کو سب سے بدترین چور قرار دیا جس کی نماز خشوع وخضوع سے خالی ہو۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً اَلَّذِیْ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ ،قَالُوْا:يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!كَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ ؟قَالَ : لَايُتِمُّ رُكُوْعَهَاوَلَا سُجُوْدَهَا أَوْ قَالَ لَايُقِيْمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترھیب من عدم إتمام الرکوع :524)''سب سے بُرا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چراتا ہے۔صحابہؓ نے پوچھا:نماز سے چوری کرنے کا کیا مطلب ؟آپ ﷺ نے فرمایا:جو رکوع اور سجدے ٹھیک سے نہیں کرتا وہ حقیقت میں نماز کا چور ہے''۔

ایک اور حدیث میں ایسی نماز کو منافق کی نماز قرار دیا گیا ہے۔حضرت انسؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَاكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَىِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا لَايَذْكُرُاللّٰهَ فِيْهَا اِلَّاقَلِيْلاً ۔(مسلم:باب استحباب التکبیر بالعصر :1443)''منافق کی نماز کا حال یہ ہے کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے۔جب وہ شیطان کے دوسینگوں کے درمیان سے طلوع ہونے لگتا ہے تو فوراً چار ٹھونگ مارتا ہے۔وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتا ہے''۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آدمی ساٹھ ستر سال تک نمازیں پڑھتا رہتا ہے مگر اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔سبب دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا: لَايُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَاسُجُوْدَهَا

وَلَاقِیَامَھَا وَلَاخُشُوْعَھَا ۔(موسوعۃ البحوث والمقالات العلمیۃ،الخشوع فی الصلاۃ)''وہ رکوع اچھی طرح سے کرتا ہے نہ سجدہ، نہ قیام ہی ٹھیک سے کرتا ہے اور نہ اس کی نماز میں خشوع وخضوع پایا جاتا ہے''۔

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں: آدمی اسلام کے سائے میں بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے مگر دربارِ الٰہی میں اس کی ایک رکعت بھی مقبول نہیں ہوتی۔ پھر اس کی وجہ بتاتے ہوئے آپؓ نے فرمایا: لَایُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَاسُجُوْدَھَا ۔(موسوعۃ البحوث والمقالات العلمیۃ، الخشوع فی الصلاۃ)''وہ رکوع اور سجدے صحیح طور سے ادا نہیں کرتا''۔

علامہ ابن قیمؒ نے نماز میں خشوع وخضوع کے اعتبار سے نمازیوں کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں:

(1) پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو نہ وضو ڈھنگ سے کرتے ہیں اور نہ ہی نماز کو اس کے آداب وارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ایسے لوگ نماز پڑھنے کے باوجود خسارے میں رہیں گے۔

(2) دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو وضو تو اس کے آداب وشرائط کے ساتھ کرتے ہیں مگر نماز میں خشوع وخضوع کا اہتمام نہیں کرتے۔ایسے لوگ خشوع ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

(3) تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو نماز اس کے آداب وارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور خشوع وخضوع کا بھی حتی الامکان خیال رکھتے ہیں، مگر کبھی کبھی ان کی توجہ نماز سے ہٹ جاتی ہے اور وہ شیطانی وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ایسے لوگ اللہ کی معافی کے مستحق ہوں گے۔

(4) چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جو نماز اس کے آداب وارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور خشوع وخضوع کو بھی برقرار رکھتے ہیں۔ایسے لوگ اپنی نمازوں کا پورا پورا اجر پائیں گے۔

(5) پانچویں قسم ان لوگوں کی ہے جو ارکان وآداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ ساتھ نمازیں اس کیفیت کے ساتھ ادا کرتے ہیں گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور اس سے سرگوشی کر رہے ہیں۔یہی لوگ اللہ کے مقرب ہیں۔(خطب ومحاضرات للشیخ سعید بن مسفر ،أهمية الخشوع)

دورِ حاضر میں ماشاء اللہ نمازیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے ایک

طرف پرانی مسجدوں میں توسیع ہورہی ہے تو دوسری طرف نئی مسجدیں تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ المیہ بھی ہے کہ ہماری نمازیں کیف وسرور اور خشوع وخضوع سے خالی ہوتی جارہی ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی صادق آرہی ہے: أَوَّلُ شَیْءٍ يُرْفَعُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوْعُ حَتّٰى لَاتَرىٰ فِيْهَا خَاشِعًا ۔(صحیح الترغیب والترھیب :542) ''پہلی چیز جو اس امت سے اٹھالی جائے گی، وہ خشوع وخضوع ہوگا، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ تمھیں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے اندر خشوع وخضوع ہو''۔

علامہ اقبالؒ نے صحیح کہا ؎

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی، تو زمیں سے آنے لگی صدا

تیرا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

خشوع وخضوع کے منافی امور : کچھ افعال وحرکات ایسے ہیں جن سے خشوع وخضوع متاثر ہوتا ہے۔ ہر نمازی کو چاہیے کہ ان سے اجتناب کرے:

1۔ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا: خشوع وخضوع پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نمازی کی پوری توجہ نماز پر ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَايَزَالُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِيْ صَلَاتِهِ مَالَمْ يَلْتَفِتُ فَإِذَا الْتَفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ ۔(ابوداوٗد: باب الالتفات فی الصلاۃ :910) ''جب تک بندہ یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھتا رہتا ہے، اللہ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب وہ ادھر ادھر مڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہاں سے دور ہوجاتا ہے''۔

اسی لیے نمازی کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھے۔

جولوگ نماز میں ادھر ادھر دیکھتے ہیں، ان کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارَهُمْ عِنْدَالدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ إِلَى السَّمَاءِ أَوْلَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ ۔(مسلم: باب النهى عن رفع البصرالى السماء :995) ''لوگوں کو نماز کی حالت میں دعا مانگتے ہوئے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آنا چاہیے۔ ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی

جائیں گی''۔

2۔ دوڑتے ہوئے آنا: نماز کے لیے دوڑتے ہوئے آنا بھی خشوع اور خضوع کے خلاف ہے۔حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔آپ ﷺ نے لوگوں کی کھٹ پھٹ سنی تو نماز کے بعد پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم نماز کی طرف دوڑ کر آرہے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، جب تم نماز کے لیے آؤ تو سکون واطمینان کے ساتھ آؤ۔ جو نماز مل جائے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے، اسے بعد میں پوری کر لو۔(مسلم: باب استحباب اتیان الصلاۃ بوقار وسکینۃ: 1393)

نماز جس قدر سکون واطمینان کے ماحول میں پڑھی جائے گی ،اسی قدر خشوع اور خضوع پیدا ہوگا۔اسی لیے فرمایا گیا: فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ (النساء:103)''اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو''۔

3۔ نقش ونگار والی چادر کا استعمال: جن چیزوں سے خشوع متاثر ہوتا ہے،ان میں سے ایک اہم چیز نقش ونگار والی جائے نماز کا استعمال بھی ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے ایک نقش ونگار والی چادر میں نماز پڑھی۔دورانِ نماز نقش ونگار پر توجہ مرکوز ہوگئی۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ،اس کے بدلے دوسری چادر لے آؤ، کیوں کہ اس چادر نے مجھے نماز سے غافل کر دیا''۔(مسلم: باب کراھۃ الصلاۃ فی ثوب لہ اعلام: 1267)

اسی لیے مسجد کی دیواروں کو مزین کرنے اور اس میں نقش ونگاری کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(ابوداؤد: باب فی بناء المساجد: 446)

۴۔ نماز جلدی جلدی پڑھنا: یہ بھی خشوع وخضوع کے خلاف ہے۔حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور جلدی جلدی نماز ادا کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: واپس جاؤ، دوبارہ نماز ادا کرو۔اس نے دوبارہ ویسے ہی نماز پڑھی۔آپ ﷺ نے

پھر اسے نماز دہرانے کے لیے فرمایا۔ اس نے کہا: میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا، آپ ﷺ ہی مجھے بتائیں کہ میں کیسے پڑھوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے آؤ تو پہلے اچھی طرح وضو کرلو، پھر تکبیر کہو اور قرآن مجید کا جتنا حصہ پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ پھر آپ ﷺ نے اسے تفصیل سے بتایا کہ رکوع، سجدہ اور ارکان میں سے ہر ایک اطمینان کے ساتھ ادا کرو'۔ (بخاری: باب أمر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعه بالإعادة :793)

اسلافِ کرام کی نمازوں کا حال : صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین کی نمازیں خشوع وخضوع سے معمور ہوا کرتی تھیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جنگ ذات الرقاع میں ایک مرتبہ دوران سفر رات میں قیام کی ضرورت پیش آئی۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا: آج کی رات اسلامی لشکر کی نگرانی کون کرے گا؟ مہاجرین میں سے حضرت عمار بن یاسرؓ اور انصار میں سے حضرت عباد بن بشرؓ نے کہا کہ ہم نگرانی کریں گے۔ دونوں نے طے کیا کہ باری باری رات جاگ کر پہرا دیں گے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ لیٹ گئے اور حضرت عباد بن بشرؓ نگرانی کرنے لگے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس موقع کو عبادت میں گزارا جائے۔ پھر انھوں نے رکعت باندھ لی، اور سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ کہف کی تلاوت شروع کردی۔ دشمن نے جب دیکھا کہ عباد بن بشرؓ نماز میں مصروف ہیں تو ان پر تیر چلایا۔ تیر ان کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ وہ سورۂ کہف کی تلاوت اس قدر ڈوب کر کر رہے تھے کہ انھوں نے تیر کو جسم سے الگ کیا اور تلاوت جاری رکھی۔ دوسرا اور تیسرا تیر آیا اور جسم میں پیوست ہوگیا۔ انھوں نے جلدی سے اپنی نماز مکمل کرلی اور اپنے ساتھی عمار بن یاسرؓ کو بیدار کیا۔ عمارؓ نے جب دیکھا کہ ان کے جسم سے خون بہہ رہا ہے تو حقیقت سمجھ گئے، اور انھوں نے کہا: أَلَا أَنْبَهْتَنِيُ أَوَّلَ مَا رُمِيَ ۔ جب پہلا تیر لگا تو اسی وقت تم نے مجھے بیدار کیوں نہیں کیا؟ انھوں نے جواب دیا: كُنْتُ فِيُ سُوْرَةٍ أَقْرَأُهَا فَلَمْ أُحِبَّ أَنْ أَقْطَعَهَا ۔ میں ایک ایسی سورت تلاوت کر رہا تھا جس کو مکمل کیے بغیر نماز ختم کرنا مجھے مناسب نہیں معلوم ہوا۔ (ابوداؤد: باب الوضو من الدم:198)

حاتم الأصمؒ بہت بڑے عبادت گزار تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا: كَيْفَ تَخْشَعُ فِيُ

صَلَاتِكَ۔ آپ اپنی نماز میں خشوع کیسے پیدا کرتے ہیں؟۔انھوں نے جواب دیا:اِذَا أَرَدْتُّ أَنْ أُصَلِّيَ ..أَتَصَوَّرُ أَنَّ الْجَنَّةَ عَنْ يَّمِيْنِيْ وَأَنَّ النَّارَ عَنْ يَّسَارِيْ وَأَنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ خَلْفَ ظَهْرِيْ وَأَنَّ الصِّرَاطَ تَحْتَ قَدَمِيْ،وَأَنَّ الْكَعْبَةَ أَمَامِيْ ۔جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو یہ تصور کرتا ہوں کہ جنت میرے دائیں جانب اور جہنم میرے بائیں جانب ہے،روح قبض کرنے والا فرشتہ میرے پیچھے ہے،پل صراط میرے قدموں کے نیچے ہے اور قبلہ اور کعبہ میرے سامنے ہے۔ پھر اس کے بعد کہتے ہیں:ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا أَدْرِيْ أَقَبِلَتْ صَلَاتِيْ أَمْ رُدَّتْ عَلَيَّ ۔اس کے باوجود میں نہیں کہہ سکتا کہ میری نماز اللہ کے دربار میں مقبول ہوی یا نہیں۔(خطب ومحاضرات للشیخ سعیدبن مسفر:اسباب الخشوع فی الصلاۃ)

زیدبن علی بن حسین جب نماز کے لیے وضو کرنے لگتے تو ان کا چہرہ زرد ہوجاتا۔کسی نے پوچھا کہ آپ بیمار تو نہیں؟انھوں جواب دیا:أَتَدْرُوْنَ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ سَأَقِفُ بَعْدَ قَلِيْلٍ۔کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں تھوڑی دیر بعد کس کے سامنے کھڑے ہونے والا ہوں۔یعنی اللہ کے سامنے۔

(خطب ومحاضرات للشیخ سعیدبن مسفر:اسباب الخشوع فی الصلاۃ)

یہ تھا اسلاف کی نمازوں کا حال۔ان واقعات کی روشنی میں ہمیں اپنی نمازوں کا جائزہ لینا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

استخارہ کی اہمیت

انسان فطرتاً بہت ہی کم زور مخلوق ہے۔اس کی اس کم زوری کا ذکر کرتے ہوے فرمایا گیا: وَخُلِقَ الإِنْسَانُ ضَعِيفًا. (النساء:28) ''اورانسان کم زور پیدا کیا گیا ہے''۔زندگی کے ہر موڑ پر بہت سے ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن کے بارے میں انسان تنہا فیصلہ نہیں کرسکتا،مثلاً:وہ کوئی تجارت شروع کرنا چاہتا ہے، یا کسی کے ساتھ کاروبار میں شریک بننا چاہتا ہے، یا کہیں اپنی یا اپنی اولاد کی شادی کرنا چاہتا ہے،یا دو اہم کاموں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا چاہتا ہے یا کسی کام کو کرنے کے سلسلے میں تردّد کا شکار ہے،یا وہ کسی ایسے میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے جس کے بارے میں اسے تفصیلی معلومات نہیں ہیں،یا کسی جگہ رہائش اختیار کرنا یا کاروبار شروع کرنا چاہتا ہے مگر وہاں کے حالات اور ماحول سے ناواقف ہے ،ایسے تمام معاملات میں آدمی تنہا کوئی فیصلہ نہیں کرپاتا، بلکہ دوسروں کے تعاون،رہ نمائی اور مشوروں کا محتاج ہوتا ہے۔ایسے موقع پر بندۂ مومن کو ہدایت کی گئی ہے کہ انسانوں سے مشورہ کرنے سے پہلے اپنے پروردگار سے استخارہ کرلے۔

کسی بھی معاملے میں دفعِ ضرر اور طلبِ خیر کی دعا کرنے کو استخارہ کہتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ استخارہ پر بہت زور دیا کرتے تھے۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ. (بخاری:باب الدعاء عندالاستخارة :6382)''رسول اکرم ﷺ ہمیں استخارہ (کا طریقہ) اسی اہمیت کے ساتھ سکھاتے تھے جس اہمیت کے ساتھ قرآن مجید کی سورتیں سکھاتے تھے'' ——— استخارہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ مستقبل میں اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ایک شخص پورے اعتماد کے ساتھ کوئی کاروبار شروع کرتا ہے،اسے یقین ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا،اس امید کے برعکس اس کو نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔اسی طرح ایک شخص کسی آدمی کی ظاہری

دین داری سے متاثر ہو کر کاروبار میں اس کا شریک بن جاتا ہے، مگر کچھ ہی دنوں کے بعد اس کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کو کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے۔اس طرح کے واقعات اور حادثات ہمارے معاشرے میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ایسے معاملات میں لوگ نقصان سے بچنے کے لیے غیر شرعی طریقے اپناتے ہیں اور بعض لوگ ایسے راستے بھی اپناتے ہیں جن سے دین و ایمان میں نقص پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جا کر ان سے اپنے مستقبل کے بارے میں یا اپنے کام کے بارے میں دریافت کرنا، وغیرہ، یہ ایسا گناہ ہے جس کی سخت مذمت آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس اپنے مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لیے جائے تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی۔(مسلم: باب تحریم الکهانة وإتيان الکهان :5957) اگر وہ کاہن کی بتائی ہوئی بات کو صحیح سمجھے تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَتٰـى كَـاهِنًـا أَوْعَـرَّافًـا فَـصَـدَّقَهٗ بِمَايَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ. (صحیح الترغیب والترھیب: باب الترغیب فی الحیاء ..:3047) ''جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی تو گویا اس نے دین محمدی کا انکار کیا''۔

اس لیے غیر شرعی طریقوں سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ اسلام نے ہمیں جو شرعی طریقہ بتلایا ہے وہ یہ کہ ہر کام سے پہلے اللہ سے مشورہ اور استخارہ کر لیا جائے۔

استخارہ کی اہمیت : صحابہ کرامؓ کے نزدیک استخارہ کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ابتدائے اسلام میں رسول اکرم ﷺ نے احادیث کو ضبطِ تحریر میں لانے سے منع فرما دیا تھا، اس خوف سے کہ کہیں قرآن اور احادیث میں اشتباہ نہ ہو جائے۔اس حکم کے باوجود صحابہ کرامؓ استخارہ اور تشہد کی احادیث کو ان کی اہمیت کے پیش نظر لکھ لیا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں : مَـاكُنَّا نَكْتُبُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْأَحَادِيْثِ اِلَّاالْاِسْتِخَارَةَ وَالتَّشَهُّدَ. (مصنف ابن أبی شیبة: باب من كـان يـعلم التشهد ويأمر بتعليمه) ''ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احادیث نہیں لکھا کرتے تھے، سوائے استخارہ اور تشہد کے''۔

صحابہ کرامؓ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں استخارہ کیا کرتے تھے۔کوئی معاملہ کتنا ہی واضح کیوں نہ ہو اس معاملے میں استخارے کے بعد ہی عملی قدم اٹھاتے تھے۔حضرت زینب بنت جحشؓ کی پہلی شادی آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے ہوی تھی ۔دونوں کے درمیان نباہ نہیں ہوسکا۔آخر کار حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔حضرت زنیبؓ مطلقہ ہیں،انھیں نکاح کا پیغام اس ہستی کی جانب سے آیا ہے جو افضل البشر اور سید الانبیاء ہیں،اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو بغیر کسی تردد اور مشورے کے اثبات میں جواب دے دیتی،مگر حضرت زینبؓ نے رسول اکرم ﷺ کے قاصد سے کہا: مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتّٰى أُوَامِرَ رَبِّىْ . ''میں اس معاملے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کروں گی جب تک کہ اپنے رب سے مشورہ (یعنی استخارہ) نہ کرلوں''۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمادی:اے پیغمبر!ہم نے آپ ﷺ کا نکاح زینبؓ سے کردیا....''۔(مسلم:باب زواج زینب بنت جحش ونزول الحجاب:3575)

رسول اکرم ﷺ کا جب انتقال ہوا تو صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ مسئلہ پیدا ہوگیا کہ آپ ﷺ کے لیے سادی قبر بنائی جائے یا بغلی؟ آپ ﷺ کے زمانے میں یہی دو طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: وَكَانَ بِالْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَلْحَدُ وَآخَرُ يَضْرَحُ ''مدینہ میں اس وقت دو آدمی تھے،ایک صندوقی قبر بنانے میں ماہر تھا اور دوسرا بغلی قبر بنانے میں''۔صحابہ کرامؓ نے آپس میں یہ طے کیا:نَسْتَخِيْرُ رَبَّنَا وَنَبْعَثُ اِلَيْهِمَا فَأَيُّهُمَا أَسْبَقُ تَرَكْنَاهُ فأُرْسِلَ اِلَيْهِمَا فَسَبَقَ صَاحِبُ اللَّحَدِ فَلَحَدُوا لِلنَّبِىِّ ﷺ۔''ہم اپنے رب سے استخارہ کریں گے اور دونوں آدمیوں کو بلا بھیجیں گے، جو پہلے پہنچ جائے،اس کے ذریعہ قبر بنائیں گے۔بغلی قبر بنانے والا شخص پہلے آگیا،اس لیے آپ ﷺ کے لیے بغلی قبر بنائی گئی''۔(ابن ماجہ: کتاب الجنائز:1624)

امام بخاریؒ کی کتاب کے بارے میں علمائے اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے: أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ اَلصَّحِيْحُ لِلْبُخَارِىْ ۔کہ قرآن مجید کے بعد اگر کوئی کتاب سند کے اعتبار سے سب

سے زیادہ صحیح ہے تو وہ امام بخاریؒ کی مدون کردہ کتاب ''صحیح بخاری'' ہے، اس کتاب کی تدوین کے تعلق سے خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں: مَا أَدْخَلْتُ فِي الصَّحِيحِ حَدِيثًا إِلَّا بَعْدَ أَنِ اسْتَخَرْتُ اللّٰهَ وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَتَيَقَّنْتُ صِحَّتَهُ ۔(مقدمۃ فتح الباری:1/347)''میں نے اپنی کتاب میں کوئی بھی حدیث اس وقت تک داخل نہیں کی جب تک کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں استخارہ نہ کرلیا، اور نماز نہ پڑھ لی اور اس کی صحت کے بارے میں مجھے یقین نہ ہوگیا''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: مَا نَدِمَ مَنِ اسْتَخَارَ الْخَالِقَ وَشَاوَرَ الْمَخْلُوقَ وَثَبَتَ أَمْرُهُ ۔(المستدرک علی مجموع الفتاوی: باب صلاۃ التطوع)''جو شخص استخارہ کرے، لوگوں سے مشورہ کرے اور کام اچھی طرح انجام دے تو وہ کسی بھی معاملے میں شرمندگی نہیں اٹھائے گا''۔

بعض اہلِ علم کا قول ہے: مَنْ أُعْطِيَ أَرْبَعًا لَمْ يُمْنَعْ أَرْبَعًا، مَنْ أُعْطِيَ الشُّكْرَ لَمْ يُمْنَعِ الْمَزِيدَ وَمَنْ أُعْطِيَ التَّوْبَةَ لَمْ يُمْنَعِ الْقُبُولَ وَمَنْ أُعْطِيَ الإِسْتِخَارَةَ لَمْ يُمْنَعِ الْخِيَرَةَ وَمَنْ أُعْطِيَ الْمَشُورَةَ لَمْ يُمْنَعِ الصَّوَابَ ۔(احیاء علوم الدین:309)''جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہوگئیں وہ چار چیزوں سے محروم نہیں ہوگا۔ ۱۔جس نے شکر گزاری کی راہ اپنالی، مزید نعمتوں سے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ۲۔جس کو توبہ کی توفیق نصیب ہوی وہ قبولیت سے محروم نہیں ہوسکتا۔ ۳۔جس کو استخارہ کی ہدایت نصیب ہوی، خیر اور بھلائی کبھی اس سے نہیں چوکتی۔ ۴۔اور جس نے مشورہ کو لازم پکڑ لیا وہ صحیح فیصلے سے محروم نہیں ہوا''۔

استخارہ کا طریقہ: استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نفل نماز ادا کرے۔ پھر دعاے استخارہ پڑھے، (اس دعا میں هٰذا الأمر کی جگہ درپیش معاملے کا نام ذکر کرے، یا دل میں اس کا ارادہ کرلے)، جیسا کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ، ثُمَّ لِيَقُلْ: **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ**

وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ، وَيَسِّرْهُ لِيْ ، ثُمَّ بَارِکْ لِيْ فِيْهِ، و اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ، وَاقْدُرْلِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ ۔(بخاری:بـاب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی :1162)''جب تم میں سے کسی کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو اسے چاہیے کہ (استخارہ کے لیے) دو رکعت نفل نماز ادا کرے۔ پھر یہ دعا پڑھے:''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بدولت خیر طلب کرتا ہوں ،اور تیری قدرت کی بدولت تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں،اور تجھ سے تیرا عظیم فضل مانگتا ہوں۔ بے شک تو ہی قدرت رکھتا ہے، میرے پاس کوئی طاقت اور قوت نہیں۔تو ہی جانتا ہے، میں کچھ نہیں جانتا، اور تو ہی غیب کا سارا علم رکھتا ہے۔اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ معاملہ میرے حق میں دینی، دنیوی اور اخروی اعتبار سے بہتر ہے تو اس کو میرے مقدر میں کر دے اور اس کا حصول میرے لیے آسان کر دے اور اس میں میرے لیے برکت عطا فرما۔اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ معاملہ دینی ،دنیوی اور اخروی انجام کے اعتبار سے میرے حق میں بہتر نہیں ہے تو تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور جو معاملہ میرے حق میں بہتر ہو اس کو میرے لیے مقدر فرما دے اور اس سے مجھے راضی بھی کر دے''۔

نماز کے بغیر بھی استخارہ درست ہے : احادیث میں استخارہ کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے ، پھر دعاے استخارہ پڑھی جائے۔یہی مسنون طریقہ ہے،البتہ بعض اہلِ علم نے نماز کے بغیر بھی دعاے استخارہ کی اجازت دی ہے۔مثلاً کوئی معاملہ فوری حل طلب ہو،اور نماز پڑھنے کے لیے وقت کی گنجائش نہ ہو،یا پھر وہ عورت جس کو عذرِ شرعی (حیض ونفاس کی مجبوری) لاحق ہو تو ایسی صورت میں نماز کے بغیر دعاے استخارہ پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں:لَوْ تَعَذَّرَتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ اِسْتَخَارَ بِالدُّعَاءِ. (الأذكار للنووی:112)''اگر نماز کی ادائی ناممکن ہو تو صرف دعاے استخارہ پر اکتفا کر لے''۔

بعض روایات میں نماز کے بغیر بھی دعاے استخارہ کا ذکر آیا ہے،مثلا ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد مروی ہے:اِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَمْرًا فَلْيَقُلْ :اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْتَخِيْرُكَ ....(صحیح ابن حبان:

122/2،علامہ البانی نے ''التعليقات الحسان على صحيح ابن حبان''،باب الأدعية میں اس حدیث کو صحیح حسن کہا ہے) ''جب تم میں سے کسی کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو وہ اس طرح دعا مانگے: **اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡتَخِیۡرُکَ بِعِلۡمِکَ**...... (اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں ہے)

استخارہ کن امور میں کیا جائے؟ : استخارہ دنیوی معاملات میں کیا جاتا ہے، مثلاً کوئی کاروبار شروع کرنا ہو، کہیں ملازمت کرنی ہو، یا کسی کے ساتھ کاروبار میں شراکت کرنی ہو وغیرہ۔ اسی طرح جب ایک سے زائد نفل کام جمع ہو جائیں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے لیے بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً ایک طرف نفل حج ہے اور دوسری طرف نفل صدقہ، ان دونوں میں کس کو ترجیح دی جائے اس کے لیے استخارہ کیا جا سکتا ہے۔ نیک کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں استخارہ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ نفل ہی کیوں نہ ہوں، مثلا: نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے ،صدقہ کرنے یا نہ کرنے اور روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے سلسلے میں استخارہ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح حرام اور ناجائز کاموں کے ارتکاب میں اور فرائض اور حقوق کی ادائی میں بھی استخارہ نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ حرام کاموں سے اجتناب اور فرائض اور حقوق کی ادائی ضروری ہے۔

استخارے کی قبولیت کی علامت : استخارہ سے پہلے اپنے نفس کو ہر طرح کی خواہشات سے پاک کر لینا چاہیے۔ جس مسئلے میں استخارہ کیا جا رہا ہے اس کے کسی ایک پہلو کی طرف پہلے سے جھکاؤ نہ ہو بلکہ ہر طرح کے میلانات سے خالی الذہن ہو کر پورے اخلاص اور توکل کے ساتھ استخارہ کرنا چاہیے۔ استخارہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام شروع کر دینا چاہیے۔ اگر وہ ہمارے حق میں بہتر ہو گا تو اللہ اس کام کو آسان کر دے گا اور اس کے لیے ہمارا سینہ کھول دے گا۔ اگر بہتر نہ ہو تو اس سے ہماری حفاظت فرمائے گا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کے بعد اللہ کی جانب سے خواب میں اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کا کوئی اشارہ ملتا ہے، حالانکہ احادیث میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ملتی، اور نہ خواب شرعی حکم معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔

استخارہ کتنے مرتبہ کیا جائے ؟ : جب تک شرحِ صدر نہ ہو اس وقت تک استخارہ

کرتے رہنا چاہیے۔اس کے لیے کوئی حد متعین نہیں ہے۔صحابہ کرامؓ کا یہی طریقہ تھا۔عہد بنی امیہ میں یزید بن معاویہ کی فوج نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر دیا۔اس حملے میں کعبۃ اللہ کی دیواروں کو کافی نقصان پہنچا۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے (جو اس وقت مکہ مکرمہ کے خلیفہ تھے) کعبہ اللہ کی دیواروں کو منہدم کر کے ازسرِ نو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔لوگوں سے مشورہ کیا۔کعبۃ اللہ کی عظمت اور اس کے تقدس کی بنا پر کسی نے آپؓ کی اس رائے کو پسند نہیں کیا۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے لوگوں سے کہا کہ بتاؤ اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جاتا، اور اس کی دیواریں منہدم ہو جاتیں تو کیا وہ ازسرِ نو اس کی تعمیر نہیں کرتا؟ پھر اللہ کے گھر کی تعمیر جدید میں کیوں پس و پیش کر رہے ہو؟ پھر فرمایا: اِنِّی مُسْتَخِیْرٌ رَبِّی ثَلَاثًا، ثُمَّ عَازِمٌ عَلٰی اَمْرِیْ۔" میں اس معاملے میں اپنے رب سے تین دن تک استخارہ کروں گا، پھر اس کے بعد اللہ کی جانب سے جو بات میرے دل میں ڈال دی جائے گی، میں اس پر عمل کروں گا"۔تین دن استخارہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ اللہ کی دیواروں کو منہدم کر کے ازسرِ نو تعمیر کیا۔ (مسلم:باب نقض الکعبۃ و بناء ھا :3309)

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ میراث کے ایک علمی مسئلے میں مسلسل ایک مہینے تک استخارہ کرتے رہے۔(مصنف ابن ابی شیبۃ:31270)

استخارہ کے باوجود نقصان: استخارے کے بعد جب دل مطمئن ہو جائے تو وہ کام شروع کر دینا چاہیے۔اگر وہ کام ہماری مرضی کے خلاف ہو یا اس کام میں ہمیں بظاہر نقصان بھی ہو جائے تو اسی کو اپنے حق میں بہتر تسلیم کرنا چاہیے، اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے ہمیں بڑے نقصان سے بچا لیا، جیسا کہ دعاے استخارہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اگر یہ کام میرے حق میں دینی، دنیوی اور اخروی لحاظ سے بہتر نہ ہو تو اس کو مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے، اور جو میرے حق میں بہتر ہے، اس کو میرے مقدر میں فرما دے اور اس سے مجھے راضی کر دے۔

مولانا حافظ مبشر حسین لکھتے ہیں: ''استخارہ کے بعد اگر مطلوبہ کام کی بجائے کوئی اور کام ہو جائے تو اسے اپنے لیے بہتر سمجھنا چاہیے، خواہ بظاہر اس میں کوئی نقصان کا پہلو ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ممکن

ہے کہ جس چیز میں زیادہ نقصان ہو،اس سے اللہ تعالیٰ نے بچا کر کم نقصان والی چیز مقدر کر دی ہو اور ایسا دعاے استخارہ کی قبولیت ہی کی وجہ سے ہوا ہو۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس چیز میں بظاہر نقصان ہوا ہے آگے چل کر یہی نقصان آدمی کے لیے اچھے کاموں کا باعث بن جائے، کیوں کہ ایک چیز کو انسان اپنے حق میں بہتر سمجھ رہا ہوتا ہے مگر اللہ کے علم کے مطابق وہ انسان کے لیے بری ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: وَعَسٰی أَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔(البقرہ:216)'' اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو، جب کہ وہ تمھارے لیے بری ہو، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے جب کہ تم بے خبر ہو''۔

ایسی صورت میں صبر اور مزید دعاے خیر کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ۔ایک حدیث میں ہے: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ ،اِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَیْرًا لَهُ وَاِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَیْرًا لَهُ. (مسلم:کتاب الزهد:7692)''مومن کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے۔اس کا معاملہ ہر حال میں بہتر ہے،اور یہ خوبی مومن کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ کہ جب اسے خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے،اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے''۔(انسان اور کالے پیلے علوم:79)

دوسروں سے استخارہ کرانا: صحیح بات تو یہ ہے کہ صاحبِ معاملہ ہی استخارہ کرے۔ دوسروں سے استخارہ کرانا ثابت نہیں ہے۔استخارہ سے متعلق جتنی بھی روایتیں آئی ہیں،ان میں اشارہ تک نہیں ملتا کہ دوسروں سے استخارہ کرایا جا سکتا ہے ۔ اور اگر دوسروں سے استخارہ کرانا جائز ہوتا تو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے ضرور استخارہ کراتے ،جس طرح وہ مختلف مسائل میں آپ ﷺ سے دعا کرواتے تھے۔

موجودہ دور میں استخارے کے نام پر امت میں بہت سے خرافات پیدا ہو گئے ہیں۔بعض نام نہاد علما نے استخارے کو دھندا بنا لیا ہے۔استخارے کے نام پر معصوم اور نادان مسلمانوں کو گم راہ کیے

ہوے ہیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کے مسائل میں استخارہ کرکے بتائیں گے کہ یہ آپ کے حق میں بہتر ہیں یا نہیں۔ بعض ٹی وی چینلوں میں تو استخارہ کے نام سے مستقل پروگرام بھی نشر ہوتے ہیں، جن میں آن لائن مشورہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کام آپ کے حق میں بہتر نہیں، اور فلاں کام بہتر ہے، وغیرہ۔ یہ کھلا دھوکا اور فراڈ ہے، ایسے پروگراموں کا شرعی استخارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ چیزیں ایک مومن کو صحیح استخارے سے دور کرنے والی ہیں، اس لیے ان سے اجتناب کرنا چاہیے، اور جس کو بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اسے خود استخارہ کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں استخارے کی اہمیت کو سمجھنے اور اس پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنائیے

ہرانسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا گھر ہر طرح کی پریشانیوں، الجھنوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہے۔ بعض کم علم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ خیر وبرکت کے خود ساختہ طغرے اور تختیاں گھر کی دیواروں پر آویزاں کرنے سے مطلوب حاصل ہوجائے گا، اور کچھ توہّم پرست ایسے بھی ہیں جو غیر شرعی امور انجام دینے سے بھی نہیں چوکتے، حالانکہ اسلام نے گھروں میں خیر وبرکت کے لیے دینی ذرائع بتلائے ہیں۔

ان ہی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ گھروں میں نفل نمازوں کا اہتمام ہے۔ فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے، مگر نفل نماز گھر ہی میں ادا کرنا بہتر ہے۔ حضرت ثابت بن نافعؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: صَلُّوا أَيُّهَاالنَّاسُ !فِيُ بُيُوُتِكُمُ فَإِنَّ أَفُضَلَ صَلَاةِ الُمَرُءِ فِيُ بَيُتِهِ اِلَّاالُمَكُتُوُبَةَ۔ (بخاری: باب صلاۃ اللیل) ''لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو، کیوں کہ مرد آدمی کے لیے فرض نماز کے علاوہ سب سے افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِجُعَلُوا فِيُ بُيُوُتِكُمُ مِنُ صَلَاتِكُمُ وَلَاتَجُعَلُوُهَا قُبُوُرًا۔ (ابوداؤد: باب صلاۃ الرجل التطوع فی بیتہ: **1045**)۔ ''اپنی کچھ (نفل) نمازیں گھروں میں پابندی سے ادا کیا کرو۔ انھیں قبرستان (کی طرح) نہ بناؤ''۔

مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے نفل نماز گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: صَلَاةُ أَحَدِكُمُ فِيُ بَيُتِهِ أَفُضَلُ مِنُ صَلَاتِهِ فِيُ مَسُجِدِيُ هذَا اِلَّاالُمَكُتُوُبَةَ (صحیح وضعیف الجامع الصغیر: **1044**) ''تمھارا اپنے گھروں میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، سوائے فرض نماز کے''۔

حضرت عبداللہ بن سعدؓ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کرتے ہیں: أَیُّمَا أَفُضَلُ الصَّلَاۃُ فِیُ بَیْتِیُ أَوِ الصَّلَاۃُ فِی الُمَسُجِدِ۔ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَلَاتَرَی اِلٰی بَیُتِیُ مَا أَقُرَبَہُ اِلَی الُمَسُجِدِ فَلَأَنُ أُصَلِّیَ فِیُ بَیُتِیُ أَحَبُّ اِلَیَّ مِنُ أَنُ أُصَلِّیَ فِی الُمَسُجِدِ اِلَّا أَنُ تَکُوُنَ صَلَاۃً مَکُتُوُبَۃً۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے، اس کے باوجود میں نماز گھر میں ادا کرنے کو پسند کرتا ہوں، سوائے فرض نماز کے"۔ (ابن ماجہ: باب ماجاء فی التطوع فی البیت: 1441)

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نفل نمازیں اکثر گھر ہی میں ادا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر کا ایک کنارہ پردے کے ذریعے ڈھک دیا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: أَمِیُطِیُ عَنَّا قِرَامَكِ ھٰذَا فَاِنَّہُ لَاتَزَالُ تَصَاوِیُرُہُ تَعُرِضُ لِیُ فِیُ صَلَاتِیُ . "اپنا یہ پردہ یہاں سے ہٹا دو، کیوں کہ اس کے نقش و نگار میری نماز میں خلل پیدا کرتے رہے"۔ (بخاری: باب اِن صلی فی ثوب مصلب أو تصاویر ھل تفسد صلاتہ)

حضرت ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں: "ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ عصر کی نماز کے بعد میرے گھر تشریف لائے اور دو رکعت ادا فرمائی۔ دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: "ظہر کے بعد کی دو رکعت مصروفیت کی وجہ سے نہیں پڑھ سکا تھا، اب میں نے اس کی قضا کی ہے"۔ (نسائی: باب الرخصۃ فی الصلاۃ بعد العصر: 586)

تہجد آپ اکثر گھر ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُصَلِّیُ صَلَاتَہُ بِاللَّیُلِ وَھِیُ مُعُتَرِضَۃٌ بَیُنَ یَدَیُہِ فَاِذَا بَقِیَ الُوِتُرُ أَیُقَظَھَا فَأَوُتَرَتُ۔ (مسلم: باب الاعتراض بین یدیہ المصلی: 1168) رسول اکرم ﷺ رات میں (تہجد) پڑھتے تھے، وہ آپ ﷺ کے سامنے لیٹی ہوئی رہتیں، جب وتر باقی رہتی تو آپ ﷺ انھیں بھی جگا دیتے اور وہ وتر پڑھ لیتیں"۔

اسی طرح چاشت کی نماز بھی آپ ﷺ اکثر گھر ہی میں ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت ام ہانیؓ فرماتی

ہیں:''فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، غسل کیا اور آٹھ رکعت ادا کی''۔ (ترمذی:باب صلاۃ الضحیٰ:474)

سنن رواتبہ بھی آپ عموماً گھر ہی میں ادا کیا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ شقیقؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:''میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی نفل نمازوں کا کیا حال تھا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ وَيَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ اِلٰى أَنْ قَالَتْ وَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔(مسلم:باب جوازالنافلة قائماوقاعدا:1733)''رسول اکرم ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے، پھر گھر سے نکلتے اور لوگوں کو نماز (ظہر) پڑھاتے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد گھر آتے اور دو رکعت ادا کرتے، پھر لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے، نماز سے فارغ ہو کر گھر آتے اور دو رکعت ادا کرتے۔پھر عشاء کی نماز پڑھاتے۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد گھر میں داخل ہوتے اور دو رکعت پڑھتے۔آخر میں وہ کہتی ہیں کہ جب فجر (صادق) طلوع ہوتی تو آپ ﷺ دو رکعت ادا فرماتے تھے''۔

مغرب کے بعد کی دو رکعتیں خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ نے گھر میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت محمود بن لبیدؓ فرماتے ہیں:''ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ قبیلۂ بنی عبدالاشھل کی مسجد تشریف لائے۔اس میں نمازِ مغرب ادا کی۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اِرْكَعُوْا هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ (ابن ماجه:باب ماجاء فی الرکعتین بعدالمغرب:1220)''یہ دو رکعت اپنے گھر میں ادا کرو''۔

حضرت عباس بن سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگ جیسے ہی مغرب کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے اور نفل نماز اپنے گھروں میں ادا کرتے۔

تربیتی نقطۂ نظر سے یہ بات صحیح ہے کہ گھر کا ماحول بچے کی تربیت میں غیر معمولی کردار ادا کرتا ہے ۔گھر کا ماحول جتنا اچھا ہوگا ، بچوں کی تربیت اتنی ہی بہتر انداز سے ہوگی ۔ بچے کا ذہن اسفنج کی طرح ہوتا ہے ۔وہ اپنے بڑوں کی ہر اچھی ، بری عادت جذب کرنے اور قبول کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہے ۔گھر کے اثرات بچہ کس تیزی سے قبول کرتا ہے اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے ۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :بِتُّ فِیُ بَیُتِ خَالَتِیُ مَیُمُوُنَةَ فَقُمُتُ فَتَوَضَّأُتُ کَمَا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئتُ فَقُمُتُ عَنُ یَسَارِہِ فَأَخَذَنِیُ بِیَمِیُنِهِ فَأَدَارَنِیُ مِنُ وَرَائِهِ فَأَقَامَنِیُ عَنُ یَّمِیُنِهِ فَصَلَّیُتُ مَعَهُ . (ابوداؤد :باب فی صلاۃ اللیل:1359). ایک مرتبہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر پر رات بسر کی ۔رسول اکرم ﷺ رات (کے آخری حصہ) میں بیدار ہوئے ۔مشکیزے سے پانی نکالا ، وضو کر کے اسے بند کر دیا ۔پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے ۔میں بھی اٹھا ، آپ ﷺ ہی کی طرح وضو کر کے (نماز کے لیے) آپ ﷺ کے بائیں جانب آ کھڑا ہوا ۔آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سے بائیں جانب کیا ۔میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ گھروں میں نفل نمازوں کی وجہ سے خیر و برکت ہوتی ہے ۔حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:إِذَا قَضٰی أَحَدُکُمُ الصَّلَاةَ فِیُ مَسُجِدِہِ فَلُیَجُعَلُ لِبَیُتِهِ نَصِیُبًا مِّنُ صَلَاتِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِیُ بَیُتِهِ مِنُ صَلَاتِهِ خَیُرًا ۔ (مسلم :باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ :1858) ’’جب تم مسجد میں (فرض) نماز ادا کر لو تو کچھ (سنت اور نفل) نمازیں اپنے گھر میں بھی ادا کرو ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نماز کی وجہ سے خیر و برکت نازل فرمائے گا ‘‘ ۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ گھر میں پڑھی جانے والی نفل نماز مسجد میں پڑھی جانے والی نفل نماز سے زیادہ اجر و ثواب والی ہے ۔حضرت صہیب بن نعمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:فَضُلُ صَلَاةِ الرَّجُلِ فِیُ بَیُتِهِ عَلٰی صَلَاتِهِ یَرَاہُ النَّاسُ کَفَضُلِ الُفَرِیُضَةِ عَلَی التَّطَوُّعِ .(صحیح الترغیب والترھیب : 441) ’’لوگوں کے درمیان پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں گھر میں

پڑھی جانے والی (نفل) نماز کو وہی فضیلت حاصل ہے جو فرض نماز کو نفل پر حاصل ہے''۔

گھروں کی حفاظت کا دوسرا ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: وَمَااجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَھُمْ اِلَّانَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَحَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ (مسلم: باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن 7028:) ''جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس کا مذاکرہ کرتے ہیں، (یا درس دیتے ہیں) تو ان پر اللہ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی ہے، رحمتِ الٰہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے ان پر چھا جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر ان کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں''۔

ایک صحابی اپنے گھر میں سورۂ کہف کی تلاوت کر رہے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے ایک بادل آ کر ان پر چھا گیا اور ان سے قریب تر ہوتا گیا۔گھوڑا جو پاس ہی بندھا ہوا تھا، وہ بدکنے لگا۔انھیں بڑا تعجب ہوا۔جب صبح ہوئی تو سارا قصہ رسول اللہ ﷺ سے سنایا۔آپ ﷺ نے فرمایا: تِلْکَ السَّکِیْنَۃُ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ۔(مسلم: باب نزول السکینۃ للقرآن 1892:) ''یہ سکینت تھی جو قرآن (کی تلاوت) کی وجہ سے (تم پر) نازل ہوئی''۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ تُقْرَأُ فِیْہِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ۔ (مسلم :باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ) ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔بے شک شیطان اس گھر سے دور بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے''۔

آیۃ الکرسی کی تلاوت بھی گھروں کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔مشہور واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کی حفاظت کی ذمہ داری حضرت ابو ہریرہؓ کے سپرد کی تھی۔ایک رات انھوں نے محسوس کیا

کہ کوئی اس میں سے چرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تین دن مسلسل یہی حرکت کرتے ہوے وہ پکڑا گیا اور ہر دن اپنی مجبوری پیش کر کے چھوٹتا رہا۔ آخری مرتبہ جب پکڑا گیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں ضرور تجھے آج رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا، تو اس نے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کہا: دَعْنِیْ أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا ۔ ’’مجھے چھوڑ دو، میں تمھیں چند ایسے کلمات سکھاؤں گا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمھیں فائدہ پہنچائے گا‘‘۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا: اِذَا أَوَيْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتّٰی تَخْتِمَ الْآيَةَ :اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ. وَقَالَ لِیْ :لَا يَزَالُ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَنْ يَقْرَبَكَ شَيْطَانٌ حَتّٰی يُصْبِحَ ۔(بخاری: باب صفة ابليس و جنوده :3275)’’جب تم سونے کے لیے بستر پر آؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، (وہ کہتے ہیں) اس نے مجھ سے کہا: (اس کی برکت سے) تم پر اللہ کی جانب سے ایک نگران (فرشتہ) مقرر ہوگا اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہیں آ سکے گا‘‘۔

گھروں میں خیر و برکت کا تیسرا ذریعہ ذکر و اذکار کا اہتمام ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرمایا: مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِیْ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ وَالْبَيْتِ الَّذِیْ لَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَيِّتِ ۔(مسلم: باب استحباب صلاة النافلة فی بيته)’’جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا، ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے‘‘۔

چوتھا ذریعہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۔(النور:61)’’پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ دعاے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے‘‘۔

یہ وہ مشروع ذرائع ہیں جن کی پابندی کرنے سے گھروں میں خیر و برکت رہتی ہے اور ہر قسم کی آفتوں سے ان شاء اللہ گھر پاک رہے گا۔ اس کے علاوہ ان اُمور کی پابندی کا مثبت اثر انسانی زندگی

پر بھی ہوتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ گھروں میں خیر و برکت کے لیے ہمیں ان مشروع ذرائع کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اجازت طلبی کے آداب

اسلام ایک مکمل دین ہے۔زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں اس نے انسان کی مکمل رہ نمائی کی ہے ۔ایک شہر،ایک بستی اور ایک جگہ رہنے والے افراد کو وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے میل ملاقات کی ضرورت پیش آتی ہی ہے ۔کسی سے ملاقات کے لیے سب سے اہم چیز اجازت حاصل کرنا ہے۔ اسلام نے اجازت طلبی کے آداب تفصیل سے بتائے ہیں،جنھیں اپنا کر ہم ایک دوسرے کے لیے راحت رسانی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ان میں سے چند یہ ہیں:

پہلا ادب: کسی شخص سے ملاقات کے لیے جائیں تو سب سے پہلے سلام کر کے اس سے اجازت طلب کریں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ۔(النور:27)''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو،جب تک کہ گھر والوں سے اجازت نہ لے لو، اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو''۔

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو سلام کیے بغیر اجازت طلب کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:لَایُؤْذَنُ لَهُ حَتّٰی یَبْدَأَ بِالسَّلَامِ ۔ (الأدب المفرد:باب الاستیذان غیر السلام)''اسے اجازت نہیں دی جائے گی، یہاں تک کہ وہ پہلے سلام نہ کرے''۔

حضرت ربعی بن خراشؒ فرماتے ہیں کہ بنو عامر کا ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا،اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہنے لگا: کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے اپنے خادم سے کہا:اُخْرُجْ اِلٰی ھٰذَا فَعَلِّمْهُ الْاِسْتِئْذَانَ،فَقُلْ لَهُ :اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ،أَأَدْخُلُ ۔اس شخص کے پاس جاؤ،اس کو اجازت طلب کرنے کے آداب سکھاؤ،اور اس سے کہو کہ پہلے ''السلام علیکم'' کہے،

اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرے''۔ وہ شخص آپ ﷺ کی آواز سن چکا تھا، اس لیے اس نے سلام کر کے اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اسے اندر آنے کی اجازت دی''۔ (ابوداؤد: باب کیف الاستیذان: 5179)

حضرت کلدہ بن حنبلؓ کہتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے (قبولِ اسلام کے بعد) انھیں کچھ تحفوں کے ساتھ خدمت نبوی میں روانہ کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں سلام اور اجازت کے بغیر آپ ﷺ کے خیمے میں داخل ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: واپس جاؤ اور سلام کر کے اجازت طلب کرو۔ (ترمذی: باب التسلیم قبل الاستیذان: 2928)

دوسرا ادب: پہلی مرتبہ اجازت کا جواب نہ ملے تو تین مرتبہ تک اجازت چاہیں، اس کے باوجود جواب نہ ملے تو واپس ہو جائیں : حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہم سے ملاقات کے لیے گھر تشریف لائے، آپ ﷺ نے سلام کیا، ان کے والد سعدؓ نے آہستہ سے جواب دیا۔ قیسؓ کہنے لگے کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دو گے؟ انھوں نے کہا: ذرا ٹھہرو! آپ ﷺ سے زیادہ سے زیادہ سلامتی کی دعا حاصل کرلوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ سلام کیا۔ پھر سعدؓ نے ہلکی آواز سے جواب دیا۔ (مگر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی) پھر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ سلام کیا۔ جب اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو آپ ﷺ واپس ہونے لگے۔ حضرت سعدؓ فوراً گھر سے نکلے اور دوڑے دوڑے آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ ﷺ کا سلام سن رہا تھا اور آہستہ سے جواب بھی دے رہا تھا (میں نے اس لیے جلد اجازت نہیں دی کہ تمنا تھی) آپ ﷺ ہم کو زیادہ سے زیادہ سلامتی کی دعا دیتے رہیں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ گھر گئے۔.... اور ان کے اور اہلِ خانہ کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ (ابوداؤد: باب کم مرة یسلم الرجل: 5187)

اس کی مزید وضاحت ابوسعید خدریؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں تھا کہ اچانک ابوموسیٰ اشعریؓ گھبرائے ہوئے داخل ہوئے اور کہنے لگے کہ میں

حضرت عمرؓ سے ملاقات کے لیے گیا ہوا تھا، تین مرتبہ ان سے اجازت طلب کی ، کوئی جواب نہیں ملا تو میں واپس ہونے لگا، انھوں نے مجھے طلب کیا اور کہا: کیوں داخل نہیں ہوے؟ میں نے کہا: تین مرتبہ میں نے اجازت چاہی، کوئی جواب نہیں ملا، اس لیے میں واپس ہو گیا، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: اِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ ۔''اگر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر اجازت نہ ملے تو واپس ہو جاؤ''۔ یہ سن کر عمرؓ کہنے لگے کہ میں تمھاری اس حدیث کو اسی وقت قبول کروں گا جب کہ تم اس پر کوئی گواہ پیش کرو۔....(ابوموسیٰؓ نے اہلِ مجلس سے پوچھا) کیا تم میں سے کسی نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے؟ ابی بن کعبؓ کہنے لگے کہ اس مجلس کا کوئی بھی شخص تمھاری بات کی تصدیق نہیں کرسکتا سوائے اس چھوٹے بچے کے، (انھوں نے میری طرف اشارہ کیا) اس مجلس میں سب سے کم عمر میں ہی تھا۔ میں سعدؓ کے ساتھ ہولیا اور عمرؓ کے پاس جا کر اس حدیث کی تصدیق کی۔(بخاری: كتاب الاستيذان ،باب التسليم والاستيذان ثلاثا:6245)

تیسرا ادب : اولاد کو بھی چاہیے کہ جب وہ اپنے والدین یا قریبی رشتے داروں سے ملاقات کے لیے جائیں تو وہاں بھی سلام کریں اور اجازت لینے کے بعد ہی داخل ہوں: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے اپنے ایک اہم مسئلے میں حضرت فاطمہؓ کو آپ ﷺ کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا۔ داخل ہونے سے قبل انھوں نے اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ میرے ساتھ میری چادر میں لیٹے ہوے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں داخل ہونے کی اجازت دی...''۔(مسلم: باب في فضل عائشة)

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا: کیا مجھے اپنی ماں کی خدمت میں جانے کے لیے بھی اجازت لینا ضروری ہے؟ آپؓ نے جواب دیا: مَا عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهَا تُحِبُّ أَنْ تَرَاهَا ۔ کیا تم اپنی ماں کو ہر حالت میں دیکھنا پسند کروگے؟ یعنی کوئی بھی اپنی ماں کو ہر حالت میں دیکھنا پسند نہیں کرتا، اور یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کس حالت میں ہے، اس لیے اجازت حاصل کیے بغیر داخل نہیں ہونا چاہیے۔(الأدب المفرد: باب يستأذن على أمه)

تین اوقات ایسے ہیں جن میں غلاموں اور اپنے نابالغ بچوں کو بھی (جو سنِ شعور کو پہنچ چکے ہوں) اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم دیا گیا: چناں چہ ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ۔ (النور: 58)''

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لازم ہے کہ تمھارے لونڈی، غلام اور تمھارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمھارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اُتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمھارے لیے پردے کے وقت ہیں''۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں ''یہ تینوں اوقات ایسے ہیں کہ انسان گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ ایسے لباس میں ہوسکتا ہے، جس میں کسی کا ان کو دیکھنا مناسب نہیں، اس لیے ان اوقات میں گھر کے ان غلاموں، لونڈیوں اور نابالغ بچوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ بغیر اجازت کے گھر کے اندر داخل ہوں''۔(احسن البیان: 1033)

والدین کو بھی چاہیے کہ وہ بلوغت کے بعد اولاد کے گھر جائیں تو ان سے اجازت لیا کریں۔ حضرت نافع ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا جب کوئی بیٹا سنِ بلوغت کو پہنچتا تو وہ اس کا کمرہ الگ کر دیتے، اور اجازت کے بغیر داخل بھی نہیں ہوتے۔ (الأدب المفرد: باب قول الله :وإذابلغ الأطفال منكم الحلم)

اسی طرح بھائی بہن کو بھی ان آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ کیا اپنی بہن کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت لینی چاہیے؟ انھوں کہا: ہاں۔ میں نے دوبارہ سوال کیا کہ میری دو بہنیں ہیں، میں ہی ان کی کفالت کرتا ہوں، وہ میرے ہی گھر میں رہتی ہیں، تو کیا مجھے ان کے پاس بھی اجازت لے کر جانا چاہیے؟ حضرت ابن

عباسؓ نے کہا: کیاتم پسند کرتے ہو کہ برہنہ حالت میں انھیں دیکھو؟ (تب یہ پسند نہیں کرتے تو تمھیں اجازت لے کر ہی جانا چاہیے)...(الادب المفرد:باب یستأذن علی أختہ)

<u>چوتھاادب:</u> دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنا چاہیے۔: حضرت عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب کسی کے گھر ملاقات کے لیے جاتے تو دروازے کے بالمقابل کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت چاہتے۔اگر اجازت ملتی تو ٹھیک ورنہ واپس ہو جاتے''۔(الأدب المفرد:باب کیف یقوم عندالباب)

حضرت سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر آپ ﷺ سے اجازت چاہی،تو آپ ﷺ نے اشارے سے کہا کہ دور ہو جاؤ،پھر میں دوبارہ آیا اور (دروازے کے کنارے کھڑے ہو کر) اجازت طلب کیا تو آپ ﷺ نے اجازت دیتے ہوے فرمایا: اجازت لینے کا حکم اسی لیے ہے کہ گھر کے اندر نظر نہ پڑے۔(المعجم الکبیر للطبرانی)

<u>پانچواں ادب:</u> کسی کے گھر میں،یا دروازے یا کھڑکی سے جھانکنا منع ہے،اور یہ باعث گناہ ہے۔حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے گھر کی سوراخ سے اندر جھانک رہا تھا، آپ ﷺ کی نظر اس پر پڑی،آپ ﷺ کے ہاتھ میں کنگھی تھی،جس سے آپ ﷺ بال ٹھیک کر رہے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو میں یہ کنگھی تمھاری آنکھ میں چبھو دیتا۔اجازت لینے کا حکم شریعت میں اسی لیے تو دیا گیا ہے کہ کوئی کسی کے گھر کے اندر نظر نہ ڈالے''۔(بخاری:باب الاستیذان من أجل البصر:**6241**)

ایک دوسری روایت میں ہے،آپ ﷺ نے فرمایا: مَنِ اطَّلَعَ فِیُ بَیُتِ قَوُمٍ بِغَیُرِ اِذُنِهِمُ فَقَدُ حَلَّ لَهُمُ أَنُ یَفُقَئُوا عَیُنَهُ۔''کوئی شخص بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکے تو گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں''۔(مسلم:باب تحریم النظر فی بیت غیرہ:**5768**)

چھٹا ادب: اجازت لیتے وقت اگر کوئی نام پوچھے تو اپنا نام بتانا چاہیے: حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے قرض کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، دروازہ کھٹکھٹایا، آپ ﷺ نے پوچھا: کون؟ میں نے اپنا نام بتانے کی بجائے کہا: ''میں ہوں''۔ آپ ﷺ نے اس جملے کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا: یہ کیا کہہ رہے ہو، میں! میں!۔ جب نام پوچھا جائے تو نام بتانا چاہیے''۔ (بخاری: باب اذاقال من ذا؟فقال :أنا: 6250)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں آپ ﷺ کی رہنمائی یہ ہے کہ جب اجازت چاہنے والے سے پوچھا جائے کہ ''تم کون ہو'' تو اس کو یوں جواب دینا چاہیے ''فلاں بن فلاں'' یا اپنی کنیت یا لقب بتانا چاہیے۔ جس طرح معراج کی رات حضرت جبریلؑ نے فرشتوں سے کہا تھا، جب کہ آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا، تو فرشتوں نے پوچھا: کون؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''جبریل''۔

اسی طرح صحیحین میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ جب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ تشریف لائے۔ انھوں نے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کون؟ تو انھوں نے جواب دیا: ابوبکر۔ پھر عمرؓ اور عثمانؓ نے باری باری اجازت چاہی۔ پوچھنے پر دونوں نے اپنا نام بتایا۔ (بخاری: كتاب الفضائل: باب مناقب عثمان) (زادالمعاد: 2/431)

ساتواں ادب: اجازت کے طریقے اشخاص وافراد کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں: جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: تمھارے لیے اجازت کی علامت یہ ہے کہ پردہ ہٹا دیا جائے اور تم میری آواز سنو۔ الا یہ کہ میں تمھیں داخل ہونے سے روک دوں۔ (ابن ماجہ: باب فضل عبدالله بن مسعودؓ: 144)

زمان ومکان، جگہ اور وقت کے لحاظ سے بھی اجازت کے طریقے بدلتے رہتے ہیں۔ عرفِ عام میں جو طریقہ رائج ہو اس کو اپنانے کی شریعت ہمیں اجازت دیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت

اوپر گزر چکی ہے، وہ کہتے کہ میں اپنے والد کے قرض کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا.......(بخاری: کتاب الاستیذان ،باب إذاقیل من فقال:أنا :6250)اس حدیث میں اجازت حاصل کرنے کے لیے دروازہ کھٹکھٹانے کا ذکر آیا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے۔یعنی آہستہ سے کھٹکھٹائے جاتے تھے۔(الأدب المفرد:باب قرع الباب) آج کل عرفِ عام میں گھنٹی یا بیل بجانے کا رواج ہے۔اگر یہ نہ ہوتو اس انداز میں کھٹکھٹایا جائے کہ گھر والوں کو اطلاع بھی ہو اور انھیں خلل اور تکلیف بھی نہ ہو۔

<u>آٹھواں ادب :</u> عام مقامات اور عوامی محفلوں میں،مثلاً:مسجد،لائبریری اور ہوٹل وغیرہ میں اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ،جیسا کہ سورۂ نور میں ارشاد ہے: لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّكُمۡ ۔(النور:29)''ہاں غیر آباد گھروں میں، جہاں تمھارا کوئی فائدہ یا اسباب ہو، وہاں جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں''۔

<u>نواں ادب:</u>اگر اجازت نہ ملے یا اجازت نہ دی جائے تو لوٹ جانا چاہیے:وَاِنۡ قِيۡلَ لَـكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ (النور:28)''اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ جاؤ، یہی بات تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب جانتا ہے''۔

اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو داخل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ واپس ہو جانا چاہیے: فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ ۔(النور:28)''پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو، جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے''۔

<u>دسواں ادب :</u> اجازت طلبی کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کرنا چاہیے۔ملاقات کے لیے ہر وقت مناسب نہیں ہوتا، کیوں کہ آدمی کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔کبھی وہ آرام کرتا رہتا ہے اور کبھی اس

کی مصروفیت کا وقت ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے رات کے وقت اطلاع کے بغیر اپنے گھروں میں بھی داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔(ترمذی) خصوصا جب مصروف اور اہم اشخاص سے ملاقات کے لیے جائیں تو اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے، یا پھر پہلے ہی سے وقت لے لینا چاہیے تا کہ ان کی مصروفیات میں خلل نہ ہو اور انھیں تکلیف نہ پہنچے۔

یہ اجازت طلبی کے چند اہم آداب ہیں، جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ ان تعلیمات کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے آج طرح طرح کی خرابیاں معاشرے میں جنم لے رہی ہیں۔ اجازت طلبی کا تعلق پردے سے نہایت گہرا ہے۔ بعض اوقات چھوٹی سی غفلت کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ بن جاتی ہے، خصوصاً اجازت طلبی کے معاملے میں۔ اس لیے اپنے ہوں یا غیر، رشتہ دار ہوں یا دوست احباب، سب کے یہاں اجازت طلبی کے لیے ان تعلیمات کی پابندی کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

موبائل کے آداب

موبائل فون اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔اس کے ذریعے ہم لمحوں میں پوری دنیا سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔دوست احباب اور رشتے داروں کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں، بیماروں کا حال معلوم کرلیتے ہیں،اور تجارت وغیرہ میں اس سے مدد لیتے ہیں ۔غرض موبائل فون کے بے شمار فوائد ہیں۔اس وقت موبائل فون کا استعمال عام ہو چکا ہے اور اب اس کا شمار انسان کی بنیادی ضروریات میں ہونے لگا ہے۔اس لیے دینی نقطۂ نظر سے اس کے استعمال کے آداب کو جاننا ضروری ہے ۔ذیل میں کچھ آداب کی نشان دہی کی جارہی ہے:

1۔پہلی بات یہ ہے کہ موبائل کو اپنی ضرورت کی حد تک استعمال کریں، بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ اس کا استعمال صحیح نہیں ہے۔اس میں وقت اور مال دونوں کا ضیاع ہے اور ان دونوں کے بارے میں قیامت کے دن ہر انسان سے سوال کیا جائے گا۔حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے، رسول ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن ابن آدم کے قدم اللہ کے دربار سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکتے جب تک کہ پانچ چیزوں کے بارے میں اس سے سوال نہ کیا جائے۔عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری، جوانی کے بارے میں کہ کن کاموں میں صرف کی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور (علم کے بارے میں کہ) اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟''.(ترمذی:باب فی القیامة:**2601**)

2۔دوسرا ادب یہ ہے کہ موبائل پر بات چیت کا آغاز سلام سے کریں، کیوں کہ موبائل دوسروں سے غائبانہ ملاقات کا ایک ذریعہ ہے اور ملاقات کا پہلا ادب سلام ہے ۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھے حقوق ہیں،ان میں پہلا حق یہ ہے:اِذَا لَقِیْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ ۔''جب تم اس سے ملاقات کروتو (پہلے) سلام کرو''۔(مسلم:باب من حق المسلم للمسلم رد السلام:**5778**)

3۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ گفتگو شروع کرنے سے پہلے اپنا نام بتائیں۔ جس کو ہم فون کر رہے ہیں، ضروری نہیں کہ اس کے پاس ہمارا نمبر محفوظ ہو، یا وہ ہمیں فوراً پہچان لے۔ کبھی آدمی کسی اہم مصروفیت میں ہوتا ہے یا آرام کرتا رہتا ہے۔ جیسے ہی فون کی گھنٹی بجتی ہے، فوراً اپنے کان سے لگالیتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ کس کا فون ہے۔ بسا اوقات آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے بھی مخاطب کو پہچاننے میں دشواری ہوتی ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر وہ اس بات سے غافل رہتا ہے کہ فون کون کر رہا ہے۔ اس لیے فون کرنے والے کو چاہیے کہ سلام کے بعد پہلے اپنا نام بتائے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کے لیے آئے، دروازہ کھٹکھٹایا، آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہو؟ وہ یہ سمجھ کر کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ انھیں جانتے اور ان کی آواز پہچانتے ہیں، کہنے لگے: ''میں ہوں''۔ اس جملے کو آپ ﷺ نے سخت ناپسند کیا اور فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہے ہو: ''میں ہوں، میں ہوں''۔ (ابن ماجہ: باب الاستئذان :3840)

جب ہم فون پر کسی سے رابطہ کرتے ہیں تو وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے، اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ پہلے اس کو اپنے سے واقف کرایا جائے۔ اور اگر کسی اجنبی کو فون کریں تو نام کے ساتھ اپنا مختصر سا تعارف بھی کرا دیں، تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

4۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ فون کرنے میں حالات اور اوقات کا خاص خیال رکھیں۔ انسان کی ہمیشہ ایک حالت نہیں رہتی، وہ کبھی بیمار ہوتا ہے، کبھی اس کے آرام کا وقت ہوتا ہے، کبھی کسی اہم کام میں مصروف ہوتا ہے، کبھی ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دوسروں سے تفصیل سے گفتگو کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے فون کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیں کہ ہمارے فون سے سامنے والے کے آرام اور مصروفیت میں کسی طرح کا خلل نہ ہو۔ اگر کوئی اہم معاملہ ہو تو فون کی بجائے پیغام (message) بھیج دیں، یا مختصر گفتگو پر اکتفا کرلیں، خصوصاً بیمار کی عیادت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیں کہ ہمارے فون سے اس کو تکلیف نہ ہو، یہ اس لیے بھی کہ بیمار کی عیادت کا یہ ادب بتایا گیا ہے کہ مختصر گفتگو کر کے واپس ہو جائیں۔

ایک دو مرتبہ فون کرنے کے بعد جواب نہ آئے تو یہ سمجھ جائیں کہ مطلوبہ شخص کسی کام میں مصروف ہے۔ بار بار فون کر کے خلل ڈالنا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ اجازت طلبی کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر جائیں تو باہر کھڑے ہو کر تین مرتبہ اجازت طلب کریں، جواب نہ ملے تو لوٹ جائیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ''۔(ترمذی: باب ماجاء فی الاستئذان ثلاثۃ: 2906)

5۔فون میں رنگ ٹون سادہ استعمال کریں: بہت سے لوگ رنگ ٹون کے طور پر گانے استعمال کرتے ہیں جو کہ کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشمی لباس، شراب اور گانے بجانے کی چیزوں کو اپنے لیے حلال کرلیں گے''۔(بخاری: باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه: 5590)

رنگ ٹون کے طور پر قرآنی آیات استعمال کرنا بھی مناسب نہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اگر ہو تو غور سے سننے کا حکم دیا گیا ہے، چناں چہ ارشاد ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۔(الأعراف: 204) ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہا کرو، امید ہے کہ تم پر رحمت ہو''۔

اگر قرآنی آیات کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال کریں تو اس کو سننے کی بجائے کاٹ دیتے ہیں۔ یہ چیز قرآن کی بے ادبی اور بے حرمتی کے زمرے میں آتی ہے۔ اور قرآن مجید شعائر اللہ میں سے ہے، اس کی تعظیم بجالانا ضروری ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا: ''اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے تو فی الحقیقت یہ دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے''۔(الحج: 32)

کبھی ہم ایسے مقامات میں ہوتے ہیں جہاں قرآن پڑھنا اور سننا جائز نہیں ہوتا۔ مثلاً: حمام اور بیت الخلا وغیرہ میں۔ اس لیے قرآن مجید کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ بعض لوگ ایسے کلمات رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جو شرک اور بدعت کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ اس

سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔البتہ ایسی نظمیں اور دعائیں جن میں کوئی اچھا پیغام ہو تو ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔

6۔دینی مجلسوں میں، مسجد میں یا ایسے مقامات پر جہاں فون کا استعمال ممنوع ہو، فون بند کر دینا چاہیے، تاکہ لوگوں کو خلل نہ ہو۔اگر فون بند کرنا بھول جائیں تو جب بھی یاد آجائے یا فون کی گھنٹی بجنے لگے فوراً سوئچ آف کر لینا چاہیے۔اگر نماز کی حالت میں ہوں تب بھی فون بند کر دیں، تاکہ ہماری وجہ سے دوسرے نمازیوں کو خلل نہ ہو۔ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ اعتکاف میں تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں۔آپ ﷺ نے اعتکاف گاہ کا پردہ ہٹایا اور فرمایا: أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا يَرْفَعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ أَوْ قَالَ فِي الصَّلَاةِ۔ ”سن لو! تم میں سے ہر کوئی اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہے، اسی لیے کوئی بھی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے اور نماز میں یا قراءت میں اپنی آواز کو دوسرے کی آواز سے بلند نہ کرے“۔

(ابوداؤد: باب رفع الصوت بالقراءة فی صلاة اللیل: 1334)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں بھی دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہیے۔ اگر فون کی گھنٹی بج رہی ہو تو سارے نمازیوں کو اس سے تکلیف ہوگی، اس لیے فوراً بند کر دینا چاہیے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ نماز کی حالت میں فون بند کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی یا اس کے ثواب میں کمی آجائے گی۔یہ ایک وسوسہ ہے۔رسول اکرم ﷺ لوگوں کی امامت کرتے ہوئے اپنی نواسی امامہ بنت زینبؓ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہوتے، جب رکوع میں یا سجدے میں جاتے تو انھیں گود سے اتار دیتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو گود میں اٹھا لیتے۔(مسلم: باب جواز حمل الصبیان فی الصلاة: 1240)

7۔فون کا استعمال کرتے ہوئے آس پاس کے لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے۔کبھی ہم کسی اجتماعی جگہ ہوتے ہیں، جیسے بس یا ٹرین یا ہسپتال وغیرہ میں فون کی گھنٹی بجتی ہے، ہم دوسروں کا خیال کیے بغیر زور زور سے بات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ یا تو وہاں سے ہٹ کر بات کریں

یا پھر آہستہ سے ضروری گفتگو پر اکتفا کرلیں۔عموماً لوگ موبائل فون پر غیرضروری اورلمبی لمبی گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔بسااوقات گفتگو کاایک حصہ بیہودگی اور گناہ کی باتوں پر ہوتا ہے۔یہ سب چیزیں دین اوردنیا کی بربادی کا ذریعہ ہیں۔ان سے احتراز بہت ضروری ہے۔اگر ہم مختصر اورکارآمد گفتگو کااصول بنالیں تو پھر بہت سی مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔

8۔موبائل کی سہولیات کااستعمال:موبائل اب صرف دوسروں سے رابطے کاذریعہ ہی نہیں رہا بلکہ اس میں بے شمار ایسی سہولیات بھردی گئی ہیں جودوسرے بہت سے وسائل سے مستغنی کردیتی ہیں۔جن میں سے چنداہم سہولیات یہ ہیں:

1۔پیغام بھیجنے کی سہولت:موبائل فون دعوت وتبلیغ کا،دین سیکھنے اورسکھانے کاایک اہم ذریعہ بھی ہے کیوں کہ ہرموبائل میں پیغام(**message**) بھیجنے کی سہولت ہوتی ہے۔چندروپیوں میں ہم سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں افرادتک بآسانی دین کا پیغام پہنچاسکتے ہیں۔اورآج کل بہت سے افراد اورسنٹرس اس کے ذریعے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔لیکن اس سلسلے میں احتیاط ضروری ہے، کیوں کہ آج کل اسلام کے نام پر بہت سی غلط اورغیراسلامی باتیں بلاتحقیق پھیلائی جارہی ہیں،اس لیےان کی تحقیق ضروری ہے۔بغیرتحقیق کے اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ ارشادہے:''جہاں انھیں کوئی خبرامن کی یاخوف کی ملی انھوں نے اسے مشہورکرناشروع کردیا،حالانکہ اگریہ لوگ اسے رسول کےاوراپنے میں سےایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کردیتے ،تواس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کرلیتے جونتیجہ اخذکرتے ہیں''۔(النساء :83)

اس لیے اگرایسا کوئی پیغام موبائل پرموصول ہوتوکسی مستندعالم دین سے اس کی تحقیق کرلیں ،اوراس کی صحت کااطمینان ہونے کے بعدہی دوسروں تک پہنچائیں۔

2۔اکثرموبائل میں باہم تبادلۂ خیال(**chating**) کی بھی سہولت ہوتی ہے۔اس سے فائدہ اٹھاکرلوگوں کی غلط فہمیاں اورشکوک وشبہات دورکیے جاسکتے ہیں،اوراسلام کے متعلق ان کے

اعتراضات کا جواب دے کران کواسلام سے قریب کرسکتے ہیں،لیکن عموماً ایسانہیں ہوتا۔

میسیج اور چاٹنگ یہ دوایسے ذرائع ہیں ،جن کے غلط استعمال کے حربے موبائل فون کی کمپنیاں خودفراہم کرتی ہیں اورنو جوانوں کی ایک بڑی تعدادایسی ہے جوغیرمحرم لڑکیوں سے تعلقات قائم کرکے گھنٹوں ان سے یاتو چاٹنگ کرتے ہوئے نظرآتے ہیں،یاپھرمیسیج کے ذریعے عشق ومحبت کے پیغامات کا تبادلہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اور یہ چیز زندگی کی تباہی، گھروں کی بربادی اور خاندانوں کی رُسوائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

3۔بعض موبائل فونوں میں انٹرنیٹ کی بھی سہولت ہوتی ہے۔اورآج کی دنیامیں انٹرنیٹ کا استعمال زیادہ تر غلط اورفحش کاموں کے لیے ہوتا ہے جب کہ اس کے صحیح استعمال کے بےشمار مواقع موجود ہیں۔انٹرنیٹ پران گنت ایسے ویب سائٹس ہیں جو ہرقسم کے شعبۂ زندگی سے متعلق ٹھوس معلومات اور رہ نمائی فراہم کرتی ہیں۔تعلیم،طب،تجارت،سماجیات وغیرہ سے متعلق دنیا بھرکی جدید معلومات ہمیں نہایت آسانی اورفراوانی کے ساتھ میسر ہیں۔ کتنے ایسے ویب سائٹس ہیں جو دین کی خدمت میں لگے ہوے ہیں،ہم ایسے ویب سائٹس تلاش کرکے ان کے ذریعے اپنی علمی صلاحیت اور دینی معلومات میں اضافہ کریں تو انٹرنیٹ ہمارے لیے ایک نعمتِ غیرمترقبہ ثابت ہوسکتا ہے۔

4۔گیمس کی سہولت:موبائل فون تنہائی کا بہترین ساتھی بھی ہے اور بربادی کا ذریعہ بھی۔اس کے ذریعے گیمس (games) کھیلتے رہنا آج کل بچے بڑے سب کا اہم مشغلہ ہے۔ذہنی تفریح کے نام پر گھنٹوں اس میں لگادیتے ہیں۔یہ وقت اورصلاحیتوں کا ضیاع ہے،جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

5۔موبائل فون ویڈیو اورآڈیو ریکارڈنگ کا بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔اس کا بھی اکثر غلط استعمال ہوتا ہے۔کیا چھوٹے، کیا بڑے، ایسے لوگ قدم قدم پر دیکھے جاسکتے ہیں جوموبائل فون کے ذریعے گانے سننے میں مگن رہتے ہیں اورایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جوسیل فون میں غلط اورگندی فلمیں محفوظ کرکے رکھتے ہیں، جب بھی موقع ملتا ہے انھیں دیکھنے اوردکھانے لگتے ہیں۔سیل فون ایک

ایسی نعمت ہے جس کا مثبت استعمال کر کے ہم بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اس کے ذریعے ترجمۂ قرآن اور تلاوتِ قرآن سن سکتے ہیں اوراچھی نظموں اور ترانوں سے محظوظ ہو سکتے ہیں،اور علماے اسلام کی تقاریر،خطابات اور قیمتی کتابوں سے اپنی دینی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

6۔بعض سیل فونوں میں ویڈیو کیمرے کی بھی سہولت ہوتی ہے۔تصویر کھینچنے اور تصویر دیکھنے میں بھی اکثر بے اعتدالی برتی جاتی ہے جبکہ بلاضرورت جاندار چیزوں کی تصویریں کھینچنے کی سخت وعید آئی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ أَشَدَّالنَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَلْمُصَوِّرُوْنَ ۔(مسلم:باب لاتدخل الملائکة بیتافیه کلب ....:5659)''قیامت کے دن سب سے زیادہ دردناک عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا جو تصویریں کھینچتے ہیں''۔

غرض موبائل فون ایک ایسا وسیلہ ہے،جس کے صحیح استعمال سے جہاں ہماری دنیا وآخرت سنور سکتی ہے وہیں اس کے غلط استعمال سے دونوں جہاں تباہ اور برباد بھی ہو سکتے ہیں۔اس لیے اس کے استعمال میں احتیاط لازمی ہے۔ہم خود بھی اس کا صحیح استعمال کریں اور اپنے گھر والوں،رشتہ داروں،عزیزوں، اور دیگر لوگوں کو بھی اس کے صحیح استعمال کی تلقین کرتے رہیں۔خصوصًا بچوں کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔اگر اس کا استعمال ان کے لیے کسی وجہ سے ضروری ہو تو باقاعدہ ان کی نگرانی کرتے رہیں۔اس معاملے میں تھوڑی سی غفلت بہت بڑے طوفان کا بھی پیش خیمہ بن سکتی ہے۔اللہ ہمیں سیل فون کے صحیح استعمال کی توفیق دے اور اس کے غلط استعمال سے محفوظ رکھے۔آمین

کہا جاتا ہے کہ سفر وسیلۂ ظفر ہے۔ مختلف اغراض و مقاصد کے تحت انسان کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دورِ حاضر میں جدید وسائل اور ذرائع نے سفر کو اس قدر آسان بنادیا ہے کہ دنیا کی تقریباً ایک تہائی آبادی ہمیشہ سفر میں رہتی ہے۔ اسلام نے انسان کی اس ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس کے آداب اور احکام تفصیل سے بتائے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ کو تہجد کی نماز طویل پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بعد میں اس میں تخفیف کردی گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بتائی گئی کہ آپ ﷺ کے ساتھ تہجد پڑھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ایسے افراد کی ہے جو دن میں سفر پر ہوتے ہیں۔ فرمایا گیا: وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ . (المزمل:20) ''بعض دوسرے، زمین میں چل پھر کر اللہ کا فضل یعنی روزی بھی تلاش کرتے ہیں''۔

مسافر کے لیے خصوصی رعایتیں: سفر میں مسافر کو وہ سہولتیں حاصل نہیں ہوتیں جو ایک شخص کو حضر میں حاصل ہوتی ہیں۔ اسی لیے اسلام نے مسافر کو دین کے بہت سے احکام میں رخصت دی ہے۔ مثلاً:

1۔ نماز کے لیے وضو شرط ہے، وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، مگر مسافر کو یہ چھوٹ دی گئی کہ اگر دورانِ سفر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرکے نماز ادا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ ۔(النساء:43) ''اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ مل لو''۔

2۔تین دن تک موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی گئی۔حضرت صفوان بن عسالؓ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا اِذَا كُنَّا مُسَافِرِيْنَ أَنْ نَمْسَحَ عَلٰى خِفَافِنَاوَلَانَنْزِعَهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ اِلَّامِنْ جَنَابَةٍ ۔(نسائی:باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر :128)''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ دورانِ سفر تین دن اور تین رات تک اپنے موزوں پر مسح کرتے رہیں، پیشاب، پاخانہ اور نیند کی وجہ سے نہ نکالیں، البتہ جنابت کی وجہ سے انھیں نکال کر (غسل کریں اور) پیروں کو دھولیں''۔

3۔نماز قصر کرنے کی اجازت دی گئی، یعنی چار رکعت والی نماز میں تخفیف کر کے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا گیا: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۔(النساء:101)''جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں''۔

4۔نماز مقررہ وقت پر ادا کرنا ضروری ہے، مگر دورانِ سفر ہر نماز وقت پر ادا کرنا دشوار ہوتا ہے، اس لیے مسافر کو جمع بین الصلاتین (ظہر اور عصر کو ایک ساتھ اور مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھنے) کی اجازت دی گئی۔(ابوداؤد:باب الجمع بین الصلاتین:1208)

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سفرِ تبوک میں جب کبھی سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کرتے تو ظہر اور عصر دونوں کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں پڑھتے ،اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر کو موخر کرتے اور عصر کے وقت میں دونوں کو جمع کرتے۔اسی طرح مغرب اور عشاء بھی کبھی جمع تقدیم کرتے اور کبھی جمع تاخیر۔(ابوداؤد:باب الجمع بین الصلاتین:1210)

5۔دن اور رات میں بارہ رکعت نفل پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص دن اور رات میں بارہ رکعت نفل پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔ (ترمذی:باب فیمن صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة :416)مسافر کے لیے ان نوافل کی پابندی بھی ضروری نہیں۔

6۔رمضان کے روزے ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔اگر کوئی ایک روزہ بھی عمداً ترک کردے،اوراس کی قضامیں زندگی بھر روزے رکھتا رہے تو اس ایک روزے کے اجر وثواب کو نہیں پاسکتا،مگر مسافر کو یہ چھوٹ دی گئی کہ اگر رمضان میں سفر درپیش ہوتو روزہ ترک کر کے دیگر ایام میں اس کی قضا کرے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ (البقرۃ:184)''تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کرلے''۔

7۔جو شخص حضر میں کسی نیکی کی پابندی کیا کرتا تھا،سفر کی وجہ سے اس عمل کو انجام نہ دے سکا، تب بھی وہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا۔(بخاری:باب يكتب للمسافرمثل ماكان يعمل فى الإقامة :2996)''اگر بندۂ مومن بیمار ہوجائے یا سفر پر ہو تو اس کے لیے ان تمام اعمال کا اجر وثواب لکھ دیا جاتا ہے جو وہ صحت اور حضر کی حالت میں انجام دیا کرتا تھا''۔

8۔سفر میں جو رخصتیں دی گئیں،ان سے فائدہ اٹھانے کی تعلیم دی گئی۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهُ كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى عَزَائِمُهُ ۔(صحیح الترغیب والترھیب:1060)''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے''۔

سفر کے آداب: مسافر کے لیے ان خصوصی رعایتوں کے ساتھ،اسلام نے سفر کے آداب بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

1۔سفر کا آغاز جمعرات کے دن پسندیدہ ہے۔حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں:خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ ۔ (بخاری:باب من أرادغزوة فورى بغيرها.. :2949) وفى رواية لَقَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ فِيْ سَفَرٍ اِلَّا يَوْمَ الْخَمِيْسِ ۔(2950)''اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے جمعرات کے دن روانہ ہوئے،اور آپ ﷺ جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ بہت کم

ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ جمعرات کے علاوہ کسی اور دن سفر کے لیے نکلے ہوں''۔

2۔ سفر صبح سویرے شروع کیا جائے: صبح کا وقت خیر و برکت کا وقت ہے، اس وقت کیے جانے والے عمل میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ حضرت صخر بن وداعہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِىْ فِىْ بُكُوْرِهَا، وَكَانَ اِذَابَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ، وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِرًا فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ أَوَّلَ النَّهَارِ فَأَثْرىٰ وَكَثُرَمَالُهُ ۔ (ابوداؤد: کتاب الجهاد: 2608) ''اے اللہ! میری امت کے لیے صبح کے اوقات میں خیر و برکت عطا فرما''۔ اور آپ جب کبھی کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اسے دن کے ابتدائی حصے میں روانہ فرماتے۔ صخر ؓ بڑے تاجر تھے، یہ اپنے تاجروں کو صبح سویرے تجارت پر روانہ کرتے، اس سے ان کے مال میں بڑی برکت اور بہت اضافہ ہوا''۔

3۔ دورانِ سفر ہمیشہ اللہ کو یاد رکھنا چاہیے۔ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ آغازِ سفر سے لے کر اختتامِ سفر تک برابر اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

الف: جب سفر کے لیے سواری پر بیٹھتے تو تین مرتبہ ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے: سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَلَنَاهٰذَا وَمَاكُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّااِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ،اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِىْ سَفَرِنَاهٰذَا الْبِرَّوَالتَّقْوىٰ وَمِنَ الْعَمَلِ مَاتَرْضىٰ اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَاهٰذَا وَاطْوِعَنَّابُعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِى السَّفَرِوَالْخَلِيْفَةُ فِى الْأَهْلِ ،اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِوَكَآبَةِ الْمَنْظَرِوَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِى الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَالْوَلَدِ ۔ (مسلم: باب مايقول إذا ركب إلى سفرالحج أو غيره: 3339) ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے نرم اور تابع کر دیا ہے اور ہم اس کو قابو میں کرنے والے نہیں تھے اور بے شک ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقوی کا اور ایسے عمل کا سوال کرتے ہیں، جسے تو پسند کرتا ہے۔ اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان کر دے، اس کی دوری کو لپیٹ دے اور اے اللہ! تو ہی سفر میں (ہمارا) ساتھی اور گھر والوں کا نگران ہے۔ اے اللہ! میں

سفر کی سختی سے، دل خراش منظر سے اور واپسی پر مال، گھر اور اولاد میں بری تبدیلی سے تیری حفاظت چاہتا ہوں''۔

ب: جب سواری بلندی پر پہنچتی تو آپ ﷺ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ '' کہتے اور جب نیچے کی طرف آتی تو ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' کہتے۔(ابوداوٗد: باب مایقول الرجل إذاسافر)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر کہا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنِّیْ اُرِیْدُ أَنْ اُسَافِرَ فَأَوْصِنِیْ، قَالَ: عَلَیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ، وَالتَّكْبِیْرِ عَلٰی كُلِّ شَرَفٍ ۔(الکلم الطیب:172)''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سفر پر روانہ ہو رہا ہوں، مجھے کوئی نصیحت کیجیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تقوی کو لازم پکڑو، اور جب بھی بلندی پر پہنچو تو ''اللہ اکبر'' کہو''۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم دورانِ سفر بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے اترتے تو تسبیح بیان کرتے''۔(بخاری: کتاب الجهاد، باب التسبیح إذاهبط وادیا:2993)

ج: کسی اجنبی مقام پر قیام کرنے کی نوبت آئے تو یہ دعا پڑھنا چاہیے۔ حضرت خولہ بنت حکیمؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ لَمْ یَضُرُّهُ شَیْءٌ حَتّٰی یَرْتَحِلَ مِنْ مَّنْزِلِهِ ذٰلِكَ ۔(مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب فی التعوذ من سوء القضاء و درك الشقاء ..:7053)''جو شخص کسی مقام پر اترے، پھر یہ دعا پڑھے: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ۔''میں اللہ کے کامل کلمات کے ذریعے سے مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں''، تو اسے اپنے اس مقام سے کوچ کرنے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی''۔

د: اگر سفر میں دشمنوں کا یا چور کا خطرہ لاحق ہو تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ۔(ابوداوٗد: کتاب الصلاة، باب مایقول الرجل إذاخاف قوما:1539)''اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے سامنے کرتے ہیں، اور تیرے ذریعے سے ان کی شرارتوں سے پناہ مانگتے ہیں''۔

ھ: نفل نمازوں کا اہتمام: رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ دورانِ سفر نفل نمازوں کا اہتمام

کیا کرتے تھے۔حضرت انسؓ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب کسی مقام پر پڑاوٗ ڈالتے ،یا راستے میں کہیں قیام کرتے تو نفل نمازوں کا اہتمام کرتے ۔(ابوداوٗد: کتاب الجهاد،باب فی نزول المنازل:**2553**)

و:دوران سفر دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہیے: رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:ثَلَاثُ دَعَـــــوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٍ لَاشَكَّ فِيهِنَّ:دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَ دَعْوَةُ الْمُسَافِرِوَدَعْوَةُ الْوَالِدِعَلٰى وَلَدِهِ ۔ (**ترمذی**:باب ماذكرفی دعوة المسافر:**3780**)''تین دعائیں اللہ کے دربار میں مقبول ہوتی ہیں،جن کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں۔مظلوم کی دعا،مسافر کی دعا اور والد کی دعا اپنی اولاد کے حق میں''۔

ز:سفر سے واپس ہوتے ہوئے آپ ﷺ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے تھے: آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: أَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِظَهْرِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ :آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ،فَلَمْ يَزَلْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ ۔ (**مسلم**:باب مايقول إذاقفل من سفرالحج :**3345**)''ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر سے لوٹے۔جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھنے لگے:آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ۔آپ ﷺ برابر یہ دعا پڑھتے رہے،یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچ گئے''۔

4۔حتی الامکان رات میں تنہا سفر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے: آپ ﷺ کا ارشاد ہے:لَوْأَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُوْنَ مِنَ الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ۔(**بخاری**: كتاب الجهاد:باب السيروحده:**2998**)''اگر لوگوں کو تنہا سفر کرنے کا وہ نقصان معلوم ہو جائے جس کا مجھے علم ہے تو کوئی سوار رات کو اکیلا سفر نہ کرے''۔

5۔جب ضرورت پوری ہو جائے تو فوراً اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے: آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلسَّفَرُقِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ فَإِذَا قَضٰى أَحَدُكُمْ مِهْنَتَهُ مِنْ

سَفَـرِهِ فَلْيُعَـجِّلْ إِلٰى أَهْلِهِ ۔(بخاری: کتاب العمرۃ: باب السفر قطعۃ من العذاب: 1804)
''سفر عذاب کا ایک حصہ ہے، جو مسافر کو عمدہ کھانے پینے سے اور (آرام کی نیند) سونے سے روک دیتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی اپنے سفر سے اپنا مقصود پورا کرلے تو اسے چاہیے کہ گھر لوٹنے میں جلدی کرے''۔

6۔طویل سفر سے واپسی پر اچانک گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا: إِذَا أَطَـالَ الـرَّجُـلُ الْـغَيْبَةَ أَنْ يَـأْتِـيَ أَهْلَـهُ طُرُوقًـا ۔(مسلم: کتاب الإمـارۃ: بـاب کـراھۃ الطـروق ..: 5076) ''جب کسی آدمی کی غیر حاضری اپنے گھر سے طویل ہو جائے تو سفر سے اپنے گھر والوں کے پاس رات کو نہ آئے''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ رات کو سفر سے اپنے گھر والوں کے پاس نہیں آتے تھے بلکہ آپ ﷺ صبح یا شام کے وقت تشریف لاتے''۔(بخاری: کتـاب الـعـمـرۃ : بـاب الدخول بالعشی: 1800)

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب طویل سفر سے واپس ہوتے تو گھر جانے کی بجائے پہلے مسجد کا رخ کرتے اور دو رکعت نماز ادا کر کے گھر روانہ ہوتے۔(صحیح بخاری: بـاب الـصـلـوۃ اذا قدم من السفر)

7۔سفر میں اپنے ساتھیوں اور دوسرے مسافروں کے آرام کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنی طاقت کے مطابق ان کی مدد اور خدمت کرنی چاہیے۔ سفر میں عام طور پر ہر کوئی اپنے آرام کی فکر کرتا ہے، خواہ اس کا ساتھی کتنی ہی تکلیف اور پریشانی میں کیوں نہ ہو۔اسلام اس ذہنیت کو سخت ناپسند کرتا ہے، بلکہ وہ دوسروں کا خیال رکھنے اور ان کا تعاون کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے،......آپ ﷺ نے فرمایا: مَـنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعِدْ بِهِ عَلٰى مَـنْ لَاظَهْرَلَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعِدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَازَادَ لَهُ ۔(مسلم: کتاب اللقطۃ : باب استـحبـاب المواساۃ بفضول الأموال : 4614) ''جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سواری

ہو وہ بطور احسان اس شخص کو دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد توشۂ سفر ہے تو وہ اس کے ساتھ اس پر احسان کرے جس کے پاس زادِ سفر نہیں ہے‘‘۔

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جہاد پر روانہ ہونے سے قبل آپ ﷺ نے فرمایا: اے مہاجرین وانصار کی جماعت! تمھارے بھائیوں میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس مال ہے، نہ ان کا کوئی کنبہ قبیلہ۔ تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ دو دو یا تین تین آدمیوں کو اپنے ساتھ ملالے۔ چناں چہ ہم میں سے جس کے پاس بھی سواری تھی، وہ اس پر باری باری سوار ہوتا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: میں نے بھی اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو ملا لیا تھا۔ میری اونٹنی پر میری باری بھی اسی طرح تھی جیسے ان میں سے ہر ایک کی تھی‘‘۔(ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب الرجل يتحمل بمال غيره يغزو :2536)

سفر میں ہر شخص اپنے آپ کو اجنبی اور تنہا محسوس کرتا ہے۔ ایسے میں ہر انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ بے سہاروں کا سہارا بنے، پریشان حال لوگوں کی مدد کرے اور مجبوروں کے دکھ درد میں شریک ہو۔

یہ سفر کے چند آداب ہیں، جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اللہ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک

رسول اکرم ﷺ کی حیثیت دینی اعتبار سے ایک پیغمبر کی ہے، اور دنیوی اعتبار سے آپ ﷺ کا مقام کسی بڑے بادشاہ سے کم نہیں۔ مدینہ میں آپ ﷺ نے ایک اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی، اور دس سال کے مختصر عرصے میں عرب کے ایک بڑے حصے میں اسلام کا بول بالا کر دیا۔

آدمی جب بادشاہت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو چھوٹے بچوں کے ساتھ وقت گزارنے اور ان سے رحمت وشفقت سے پیش آنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کسی بچے کو بوسہ دے رہے تھے۔ ایک دیہاتی نے دیکھا تو کہا: تُقَبِّلُوْنَ الصِّبْيَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ ۔ کیا آپ بھی بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟ ہم تو کبھی بوسہ نہیں دیتے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا: اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دل کو رحمت وشفقت کے جذبہ سے محروم رکھا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ (بخاری: باب فی رحمة الولد وتقبيله ومعانقته: 5998)

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ حضرت حسنؓ کو بوسہ دے رہے تھے۔ اس مجلس میں اقرع بن حابسؓ بھی تھے۔ وہ کہنے لگے: 'میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا'۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ ۔ ''جو بندوں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا''۔ (مسلم: باب رحمته الصبيان والعيال وتواضعه: 6170)

بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کے سلسلے میں آپ ﷺ نے تعلیم دی: ''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور بڑوں کی عزت نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں''۔ (ابوداؤد: باب فی الرحمة (4945:

حضرت انسؓ آپ ﷺ کی یہ صفت بیان کرتے ہیں: كَانَ أَرْحَمَ النَّاسِ بِالصِّبْيَانِ وَالْعِيَالِ. کہ بچوں اور محتاجوں پر لوگوں میں سب سے زیادہ رحم دل آپ ﷺ تھے۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة :

(2089

بچوں سے آپ ﷺ کی رحمت وشفقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان تھا کہ میدانِ جنگ میں دشمنوں کے بچوں کو بھی قتل نہ کیا جائے۔(بخاری:باب قتل الصبیان فی الحرب:3014)

بچوں کی وفات پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر آپ ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں۔یہ منظر دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تعجب سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بھی روتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابن عوف! یہ رحم ہے۔چشم مبارک سے بدستور آنسو جاری رہے۔(بخاری:باب قول النبی انا لمحزونون بك:1303)

جب بچوں پر سے گزر ہوتا تو آپ ﷺ آگے بڑھ کر انھیں سلام فرماتے تھے۔(مسلم:باب استحباب السلام علی الصبیان:5791)

رسول اکرم ﷺ جہاں بڑوں کو وقت دیتے تھے وہیں معصوم بچوں کے ساتھ رہنا بھی پسند فرماتے تھے۔حضرت ام خالدؓ فرماتی ہیں کہ میں (ابھی بچی تھی) اپنے والد خالد بن سعیدؓ کے ساتھ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گئی۔اس وقت میں ایک زرد کرتا پہنی ہوئی تھی۔آپ ﷺ نے میرے کپڑوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: بہت خوب، بہت خوب۔وہ کہتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی مہرِ نبوت سے کھیلنے لگی۔میرے والد نے جب یہ حرکت دیکھی تو مجھے منع کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اسے کھیلنے دو۔(بخاری:باب من ترك صبية غيره حتى تلعب به:5993)

آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کثیر العیال تھے۔ان میں عبداللہؓ، عبیداللہؓ اور کثیرؓ بہت چھوٹے تھے۔آپ ﷺ انھیں ایک قطار میں کھڑا کردیتے اور کہتے: جو مجھ تک پہلے پہنچے گا، اسے میں انعام دوں گا۔وہ بھاگتے ہوئے آتے، کوئی آپ ﷺ کے سینۂ مبارک سے اور کوئی آپ کی پشت سے چمٹ جاتا۔آپ انھیں گلے لگاتے اور بوسہ دیتے۔(مجمع الزوائد:9/17، بسند حسن)

حضرت امامہ بنت زینبؓ آپ ﷺ کی نواسی تھیں۔ایک مرتبہ آپ ﷺ انھیں اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے گھر سے نکلے۔مسجد میں داخل ہوئے۔اسی حالت میں صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھائی۔جب آپ ﷺ رکوع اور سجدے میں جاتے تو زمین پر بٹھادیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انھیں پھر اٹھا لیتے۔(ابوداوٗد:باب العمل فی الصلاۃ:**918**)

بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی یہ شفقت سفر میں بھی ہوتی تھی۔دورانِ سفر جو بھی بچے ملتے آپ ﷺ انھیں اپنی سواری پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیتے۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا: کیا تمھیں یاد ہے کہ میں، تم اور ابن عباسؓ نے رسول اکرم ﷺ کا استقبال کیا تھا؟ وہ کہنے لگے: ہاں! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سواری پر بٹھالیا تھا اور تمھیں (گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے) چھوڑ دیا تھا۔(بخاری:باب استقبا ل الغزاۃ:**3082**)

بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ ان سے دل لگی اور مذاق بھی کیا کرتے تھے۔حضرت انسؓ کے ایک چھوٹے بھائی تھے، جن کا نام ابوعمیرؓ تھا۔وہ ایک چھوٹا پرندہ پال رکھے تھے، جس سے وہ دل بہلایا کرتے تھے۔کچھ دنوں کے بعد وہ مرگیا۔آپ ﷺ انھیں دیکھتے تو فرماتے: یَـاأَبَـاعُـمَیْـرِ!مَـافَـعَـلَ النُّغَیْرُ۔''اے ابوعمیر! تمھارا وہ بلبل کیا ہوا؟''۔(ابن ماجہ: کتاب الأدب: باب المزاح:**3852**)

جہاں آپ ﷺ بچوں سے پیار و محبت کرتے، وہیں ان کے حقوق کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔جب بھی موسم کا پہلا پھل آتا تو سب سے پہلے بچوں کو عطا کرتے۔

آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب مجلس میں ہوتے، اور کھانے پینے کی کوئی چیز آتی تو آپ ﷺ اس میں سے (بطورِ تبرک) کچھ کھاپی کر جو دائیں جانب ہوتا اس کو دے دیتے۔حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک مشروب آیا۔آپ کے دائیں جانب ایک چھوٹا بچہ تھا اور بائیں جانب بزرگ صحابہؓ تھے۔آپ ﷺ نے اس بچے سے کہا: اگر تم اجازت دیتے ہو تو یہ مشروب بزرگ صحابہؓ کو عطا کردوں؟ بچہ نہایت چالاک تھا، اس نے کہا: وَالـلّٰـہِ !یَـارَسُـوْلَ الـلّٰـہِ

ﷺ!لَاأُوْثِرُبِنَصِيبِیْ مِنْكَ أَحَدًا ۔اے اللہ کے رسول!اللہ کی قسم!میں آپ ﷺ کے تبرک پر کسی کو فوقیت نہیں دے سکتا۔اس پر آپ ﷺ نے وہ مشروب اس بچے کو دے دیا۔(بخاری: باب هل يستأذن الرجل من عن يمينه:5620)

عام طور پر بے جالاڈو پیار کا مظاہرہ کرتے ہوے والدین بچوں کی تعلیم وتربیت سے غفلت برتتے ہیں ،مگرآپ ﷺ بچوں سے جہاں بہت محبت فرماتے تھے وہیں ان کی تعلیم وتربیت کا بے حد خیال بھی رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھا ہوا تھا،آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: يَاغُلَامُ !اِنِّیْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ ،اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تِجَاهَكَ ،اِذَاسَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَاِذَااسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ۔''اے بچے!میں تمھیں چند اہم باتیں سکھاتا ہوں(اسے اچھی طرح یاد کرلو،سنو)ہمیشہ اللہ کو یاد رکھو،وہ بھی تمھیں یاد رکھے گا۔اللہ کو یاد کرتے رہو،(مصائب ومشکلات میں)تم اسے اپنے پاس پاؤ گے۔مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو۔مدد کی ضرورت ہو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اگر سارے لوگ مل کر بھی تمھیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے ،بس اتنا ہی جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے مقدر میں لکھ دیا ہے ،اور سارے لوگ مل کر تمھیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں ،تو وہ اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ اللہ نے تمھاری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔(تقدیر کے)قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور نوشتۂ تقدیر سوکھ چکا ہے''۔(ترمذی: كتاب صفة القيامة : باب قول النبی ﷺ :لايؤمن أحدكم...:2706)

حضرت عمرو بن سلمہ ؓ فرماتے ہیں :میں کم عمر تھا،رسول اکرم ﷺ کے گھر میں پرورش پاتا تھا، کھاتے وقت میرا ہاتھ پورے برتن میں گھومتا تھا،یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: يَاغُلَامُ !سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ ۔" اے بچے!اللہ کا نام لے کر کھاؤ،دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ''۔(ابن ماجہ: كتاب الأطعمة: باب الأكل باليمين:3391)

آپ ﷺ کے نواسے حضرت حسنؓ نے ایک مرتبہ صدقہ کے کھجوروں میں سے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: اسے تھوک دو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَا شَعَرْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ۔ (بخاری: باب مایذکر فی الصدقة للنبی ﷺ: 1491) ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم اہلِ بیت کے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں ہے؟

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ تہجد کے لیے کھڑے ہوے تو حضرت ابن عباسؓ بھی آپ ﷺ کے بائیں جانب آ کر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے دورانِ نماز ہی انھیں اپنے پیچھے سے دائیں جانب کرلیا۔ (مسلم: باب الدعاء فی صلاة اللیل و قیامه: 1824) کیوں کہ مقتدی ایک ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی۔

مسلمان بچوں کی طرح غیر مسلم بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی آپ ﷺ خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ ایک یہودی بچہ آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، تسلی کے کلمات کہنے کے بعد آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اپنے باپ کی رضامندی کے بعد اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کے قبول اسلام پر اللہ کا شکر بجالاتے ہوے واپس ہوے۔ (ابوداؤد: باب عیادة الذمی 3097)

احادیث کی کتابوں میں ہمیں اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ معصوم بچوں کی اصلاح و تربیت پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ آپ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت انسؓ جو آپ ﷺ کے پاس ایک خادم کی حیثیت سے آئے تھے، آپ ﷺ نے انھیں صرف اپنا خادم نہیں سمجھا بلکہ ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی، جس کے نتیجے میں ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جن سے سب سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔ جن صحابہ کرامؓ سے زیادہ احادیث منقول ہیں، ان میں پہلا مقام حضرت ابوہریرہؓ کا، دوسرا آپ کی بیوی حضرت عائشہ کا اور تیسرا مقام حضرت انسؓ کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن کی تعلیم و تربیت کا ذکر ابھی ہوا آپ ﷺ نے ان کو تفسیر کا علم سکھایا

اوران کے حق میں یہ دعا فرمائی۔اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِیْلَ ۔(مسند احمد:مسندعبدالله بـن العباسؓ)''اے اللہ! تو انھیں دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما''۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ امام المفسرین کہلائے۔

آپ ﷺ بچوں کو ان کی صلاحیت کے مطابق تربیت دیتے تھے۔آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ کی ایسی تربیت آپ ﷺ نے فرمائی کہ وہ صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ایک بہترین سپہ سالار بن گئے۔سنہ گیارہ ہجری میں رومیوں سے لڑائی کے لیے جو لشکر تیار ہوا، آپ ﷺ نے اس کا کمانڈر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو مقرر کیا، حالاں کہ اس فوج میں علم وعمل اور قابلیت وصلاحیت کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کرام موجود تھے۔آپ ﷺ کو اندازہ تھا کہ اسامہؓ اس قابل ہیں کہ اس لشکر کی قیادت کرسکیں۔

یہ تھا بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کا حسنِ سلوک۔آپ ﷺ کی سیرت اور شخصیت اس پہلو سے بھی ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے۔

موجودہ دور میں مسلم معاشرے میں بچوں کی جانب کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔اس وجہ سے بچوں کی جیسی کچھ تعلیم وتربیت ہونی چاہیے وہ نہیں ہو پاتی۔اس عدمِ توجہی کی وجہ سے معصوم بچے آگے چل کر ماں باپ، خاندان اور پورے مسلم معاشرے کے لیے مصیبت اور دردِ سر بن جاتے ہیں۔ اگر بچوں پر بروقت اور کما حقہ توجہ دی جائے تو یہی بچے دین وملت کا سرمایہ بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دینے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام ایک انصاف پسند مذہب ہے۔وہ اپنے متبعین کو ہر حال میں عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی۔ (النحل:90)''بے شک اللہ تم کو انصاف،احسان کا حکم دیتا ہے''۔

انبیا کی بعثت کا ایک مقصد عدل وانصاف کا قیام بتایا گیا ہے،جیسا کہ ارشاد ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔(الحدید:25)''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اوران کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمائی،تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں''۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے تعلق سے فرمایا: وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمُ ۔(الشوریٰ:15)''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں''۔

اہلِ اقتدار کو خصوصیت کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لینے کی تعلیم دی گئی ہے : وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ۔ (النساء:58)''اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو''۔

آدمی جب انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہو،وقت کا بادشاہ اور حکم راں ہو،ایسے میں اپنے بارے میں عدل وانصاف سے کام لینا بڑا مشکل ہوتا ہے۔مگر مسلمان وہی ہے جوان نازک موقعوں پر بھی عدل وانصاف کا دامن تھامے رہے۔

اسلامی تاریخ میں ہمیں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ اللہ کے نیک بندے اپنے معاملات میں بھی عدل وانصاف سے کام لیا کرتے تھے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے دوسرے سے ایک زمین خریدی،خرید وفروخت مکمل ہونے کے بعد اس زمین میں سونے

، چاندی اور ہیرے، جواہرات سے بھرا ہوا ایک مٹکا زمین خریدنے والے کو ملا۔ وہ اس آدمی کے پاس پہنچا جس سے یہ زمین خریدی تھی اور کہنے لگا: میں نے تم سے صرف زمین خریدی تھی، اس میں ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا یہ مٹکا ملا ہے، لہٰذا تم ہی اس کے مالک ہو، یہ لے لو۔ وہ کہنے لگا: میں نے زمین کے ساتھ زمین کی ساری چیزیں بھی فروخت کر دی تھیں، اس لیے اس مٹکے کے حق دار تم ہی ہو۔ آخر معاملہ قاضی کے پاس پہنچا، وہاں بھی جب دونوں میں سے کوئی اس کو لینے کے لیے راضی نہیں ہوا تو قاضی نے پوچھا: کیا تمھاری کوئی اولاد ہے؟ ایک نے کہا: میرا ایک بیٹا ہے، دوسرے نے کہا: میری ایک بیٹی ہے۔ قاضی نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ دونوں کی آپس میں شادی کر دو اور یہ رقم ان دونوں کے گھر بسانے میں خرچ کرو، بقیہ رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دو۔ (بخاری: باب حدیث الغار 3465)

حضرت اسید بن حضیرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، آپ ﷺ نے اس کو اسید بن حضیرؓ کی کمر میں چبھویا۔ وہ رسول اکرم ﷺ سے کہنے لگے: آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے کہا: ٹھیک ہے، بدلہ لے لو۔ وہ کہنے لگے: اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ۔ آپ ﷺ کے جسم پر تو قمیص ہے، جب کہ میرے جسم پر قمیص نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے جسم مبارک سے قمیص ہٹائی۔ حضرت اسیدؓ فوراً آپ ﷺ سے لپٹ گئے، اور مہرِ نبوت کا بوسہ لینے لگے، پھر فرمایا: اِنَّمَا اَرَدْتُ هٰذَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اے اللہ کے رسول ﷺ! میری خواہش بس یہی تھی۔ (ابوداؤد: باب فی قبلة الجسد: 5226)

حضرت علیؓ وقت کے خلیفہ تھے، آپؓ کی زرہ گم ہو گئی، جو ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے جب اس سے اپنی زرہ کا مطالبہ کیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو میری زرہ ہے، بحث و تکرار کے بعد جب قاضی کے پاس معاملہ پہنچا تو قاضی نے دونوں کی گفتگو سننے کے بعد حضرت علیؓ سے دلیل طلب کی۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی، نتیجہ میں قاضی ابو شریحؒ نے وقت کے خلیفہ کے خلاف نصرانی کے حق میں

فیصلہ سنایا۔ اس فیصلہ سے نصرانی اس قدر متاثر ہوا کہ کچھ دور جانے کے بعد واپس آ کر کہنے لگا: أَمَا إِنَّ هٰذِهِ أَحْكَامُ الْأَنْبِيَاءِ۔ سن لو! یہ عام انسانوں کے فیصلے نہیں، یہ تو انبیاء کے فیصلے ہیں۔ پھر وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (السنن الکبری للبیہقی :باب انصاف الخصمین فی المدخل علیه)

دوسروں کے معاملے میں انصاف کرنا بہت آسان ہے، مگر اپنے یا اپنے اہل وعیال اور رشتے داروں کے معاملے میں عدل وانصاف سے کام لینا مشکل کام ہے۔ حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنْ شِئْتُمْ أَنْبَأْتُكُمْ عَنِ الْإِمَارَةِ وَمَاهِيَ ؟ اگر تم چاہتے ہو تو میں تمھیں عہدہ ومنصب اور حکومت وسلطنت کی حقیقت بتاؤں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بلند آواز میں کہا: ضرور بتائیے، اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ وَثَانِيهَا نَدَامَةٌ وَثَالِثُهَا عَذَابٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَنْ عَدَلَ وَكَيْفَ يَعْدِلُ مَعَ قَرِيْبِهِ۔ (صحیح الترغیب والترھیب: 2173) ”حکومت وسلطنت کا پہلا مرحلہ لعنت وملامت کا ہے، دوسرا مرحلہ ندامت اور شرمندگی کا ہے اور آخری مرحلہ قیامت کے دن عذاب کی صورت میں پیش آئے گا، سوائے اس شخص کے جو عدل وانصاف سے کام لے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنے رشتے داروں کے معاملے میں کیسے انصاف کر سکتا ہے؟“۔

اسلام اپنے متبعین کو اپنے اور رشتے داروں کے معاملے میں خصوصیت کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۔ (النساء: 135) ”اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کی خوش نودی کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمھارے اپنے خلاف ہو یا تمھارے ماں باپ یا رشتہ دار عزیزوں کے خلاف“۔

انسان کو اپنے اعزاء واقرباء سے محبت ہوتی ہے۔ یہی محبت عدل وانصاف کی راہ میں اکثر رکاوٹ بنتی ہے۔ عربوں کا یہی حال تھا۔ جب کسی معمولی گھرانے کا کوئی فرد جرم کرتے ہوئے پکڑا جاتا تو اس پر حد نافذ کرتے، اور اگر کسی بڑے گھرانے کا فرد جرم کا ارتکاب کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے تھے۔

اسلام آنے کے بعد قبیلۂ بنومخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں ملوث پائی گئی۔ جب حد نافذ کرنے کا معاملہ درپیش ہوا تو انھوں نے آپ ﷺ کے محبوب صحابی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر بھیجا کہ سزا میں کچھ تخفیف کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَأَيْمُ اللّٰهِ ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ ابْنَةَ مُحَمَّدٍ ﷺ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔ (مسلم: باب قطع السارق الشریف وغیرہ...: 4505) ''تم سے پہلے والے لوگ اسی لیے ہلاک ہوے کہ جب بڑے گھرانے کا کوئی فرد جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کم زور پکڑا جاتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ اللہ کی قسم ! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا''۔

اسلام اپنے متبعین کو اس طرح کی ناانصافی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ رشتے داروں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔ (الانعام: 152) ''اور جب بات کہو تو انصاف کی بات کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو''۔

آج کل اولاد کے درمیان خصوصاً لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان تعلیم و تربیت میں، وراثت کی تقسیم میں اور دیگر حقوق کی ادائی میں بہت ہی ناانصافی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ وراثت کے حصوں کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا: تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔ (النساء: 13،14) ''یہ حدیں اللہ کی مقرر کی ہوی ہیں اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا اسے اللہ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے، اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لیے رسوا کن عذاب

ہے''۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے ایک تحفہ دیا، (میری والدہ) عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں اس بات کو اسی وقت قبول کروں گی جب کہ تم اس تحفے پر رسول اکرم ﷺ کو گواہ بناؤ۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی عمرہ کے بیٹے کو ایک تحفہ دیا ہے، وہ کہہ رہی ہیں کہ اس بات پر میں آپ ﷺ کو گواہ بناؤں۔ (آپ ﷺ گواہ رہیے) رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے اپنے دیگر بچوں کو بھی اسی طرح کا تحفہ دیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْدِلُوْا بَیْنَ أَوْلَادِکُمْ ۔ اللہ سے ڈرو، اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو۔ (بخاری: باب الإشھاد فی الھبۃ: 2587)

اسلام مردوں کو چار شادی کرنے تک کی اجازت دیتا ہے۔ اگر بیویوں کے درمیان ناانصافی کا اندیشہ ہو تو ایک ہی پر اکتفا کرنے کا حکم دیتا ہے، چناں چہ فرمایا گیا: فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ...۔(النساء:3) ''عورتوں میں جو بھی تمھیں پسند آئیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمھیں عدل نہ کرسکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے''۔

دشمنوں کے ساتھ عدل وانصاف بھی بڑا مشکل کام ہے، مگر اسلام اپنے متبعین کو حکم دیتا ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کو قائم رکھیں۔ چناں چہ فرمایا گیا: وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا، ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۔(المائدہ:8) ''کسی قوم کی عداوت تمھیں عدل کے خلاف کام پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے''۔

خیبر کے یہودیوں سے اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ وہ اپنے اناج کا ایک حصہ مسلمانوں کو ادا کریں گے۔ اناج کا اندازہ لگانے کے لیے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو روانہ فرمایا، جب وہ ان کے علاقے میں پہنچے تو یہودیوں نے انھیں رشوت دے کر اپنے معاملے میں کچھ نرمی پر آمادہ کرنا چاہا تو آپؓ نے فرمایا: وَاللّٰہِ لَقَدْ جِئْتُکُمْ مِّنْ عِنْدِ أَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ وَلَأَنْتُمْ أَبْغَضُ اِلَیَّ

مِنْ عُـدَّتِـكُـمْ مِـنَ الْـقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِوَلَايَحْمِلُنِيْ بُغْضِيْ اِيَّاكُمْ وَحُبِّيْ اِيَّاهُ عَلٰى اَنْ لَاأَعْدِلَ بَيْـنَـكُـمْ ـ ''میں تمھارے یہاں ایک ایسے شخص کی طرف سے آرہا ہوں جو میرے نزدیک ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اورتم میرے نزدیک بندراورخنزیر سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔لیکن رسول اللہ ﷺ سے یہ محبت اورتم سے یہ نفرت مجھے تمھارے معاملے میں ناانصافی پرآمادہ نہیں کرسکتی''۔ یہ سن کران لوگوں نے کہا:بِھٰذَا قَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ ـ''اسی عدل وانصاف کی بنا پرزمین وآسمان آج تک قائم ہیں''۔(السنن الکبریٰ للبیہقی :باب من رأی قسمة الأراضی)

عدل وانصاف کے قیام میں بنیادی چیزیہ ہے کہ فریقین کے دلائل سن کرفیصلہ کیاجائے۔عام طور پرناانصافی کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ عموماًایک طرفہ بات سن کرفیصلہ کیاجاتاہے۔حضرت علیؓ کوآپ ﷺ جب قاضی بنا کریمن کی طرف روانہ کرنے لگےتوانھوں نے کہاکہ جن کی طرف آپ ﷺ مجھے قاضی بنا کربھیج رہے ہیں وہ عمرمیں مجھ سے بڑے ہیں، میں ان کے مقابلے میں کم عمرہوں، مجھے قضاوت کاکچھ خاص تجربہ بھی نہیں ہے،آپ ہی بتائیے کہ میں کیاکروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ اللّٰـهَ سَيَهْـدِىْ قَـلْبَكَ وَيُثَبِّـتُ لِسَـانَكَ ،فَإِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَاتَقْضَيَنَّ حَتّٰى تَسْمَعَ مِـنَ الْآخَـرِ كَـمَـاسَـمِـعْتَ مِنَ الْأَوَّلِ ، فَإِنَّهُ أَحْرىٰ أَنْ يَّتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَـاضِيًـا أَوْ مَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ ـ(ابوداوٗد:باب کیف القضاء :3584)''اللہ تمھارے دل کو راہِ حق پرثابت قدم رکھےاورتمھاری زبان کولغزشوں سے محفوظ فرمائے۔جب لوگ تمھارے پاس کوئی معاملہ لے کرآئیں توکسی ایک فریق کی بات سن کرفیصلہ کرنے میں جلدبازی نہ کروبلکہ دوسرے فریق کی بات بھی ویسے ہی اطمینان کے ساتھ سنوجیساکہ پہلےفریق کی بات تم نے سنی ہے۔یہ طرزِعمل صحیح فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ (آپ ﷺ کی اس نصیحت پرعمل کرنے کانتیجہ یہ ہوا) کہ مجھے فیصلہ کرنے میں اورعدل وانصاف کوقائم رکھنے میں کبھی دشواری نہیں پیش آئی''۔

عدل وانصاف کرنے والوں کے لیے بڑی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔قیامت کے دن جن سات

خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی سایے میں جگہ دے گا جب کہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا، ان میں پہلا خوش نصیب عدل وانصاف کرنے والا حکمراں ہوگا۔ (ترمذی: باب ماجاء فی الحب فی اللہ: 2568)

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے: اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَاللّٰهِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ یَمِیْنِ الرَّحْمٰنِ ۔ (مسلم: باب فضیلۃ الامام العادل... :4825) ”عدل وانصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کے دائیں جانب نور کے منبر پر ہوں گے“۔

اسلام جس عدل وانصاف کی تعلیم لے کر آیا تھا اور اس پر جس قدر زور اسلامی تعلیمات میں دیا گیا ہے، آج مسلمان اس معاملے میں اسی قدر پیچھے ہیں۔ ذاتی مفاد کا غلبہ ہم میں اس قدر پایا جاتا ہے کہ عدل وانصاف کا خون کرتے ہوئے نہ ہمیں بھائی، بھائی نظر آتا ہے اور نہ رشتے ناطے کا ہی لحاظ رہتا ہے۔ اس وجہ سے خاندان اور قبیلے میں ناچاقیاں اور دشمنیاں عام ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہر معاملے میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھیں۔ ہمیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور سب سے بڑے عادل، پروردگار عالم کے روبرو حاضر ہونا ہے، جہاں پورے عدل وانصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں عدل وانصاف کا پیکر بنائے۔ آمین

اولاد اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس نعمت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس سے محروم رکھتا ہے۔ دنیا میں بعض بڑے بڑے لوگ ایسے گزرے ہیں، جن کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ سلطنت و اقتدار تھا، طاقت وقوت تھی، مال و دولت تھی، مگر ان کی زندگی اس عظیم دولت سے محروم تھی۔ وہ سب کچھ ہونے کے باوجود اس کمی کو شدت سے محسوس کرتے تھے اور ان کی زندگی ویرانی اور بے رونقی کا شکار رہتی تھی۔ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائی کے دعوے دار، معصوم بچوں کا قاتل فرعون بھی اس عظیم نعمت سے محروم تھا۔ قتل کے خوف سے حضرت موسیٰؑ کی ماں نے حضرت موسیٰؑ کو صندوق میں رکھ کر سمندر میں بہا دیا، یہ دودھ پیتا بچہ (موسیٰؑ، جس کے بارے میں اللہ کی جانب سے نبوت کا فیصلہ ہو چکا تھا) جب فرعون کے ہاتھ لگا تو اس کی بیوی نے کہا: وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ (القصص:9) ''یہ تو میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل مت کرو، کیا عجب کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنا لیں''۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ وہی اولاد دیتا ہے۔ وہی کسی کو صرف لڑکیوں سے نوازتا ہے تو کسی کو صرف لڑکے عطا کرتا ہے، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے، اور کسی کو دونوں سے محروم رکھتا ہے۔ فرمایا گیا: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۔(الشوریٰ:49،50) ''وہ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انھیں جمع کر دیتا ہے، بیٹے بھی بیٹیاں بھی اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے''۔

اہلِ عرب لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو حقیر اور کم تر سمجھتے تھے۔ قرآن نے ان کی حالت یہ

بیان کی ہے: وَاِذَا بُشِّرَاَحَدُھُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡھُهٗ مُسۡوَدًّاوَّھُوَ کَظِیۡمٌ ، یَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَیُمۡسِکُهٗ عَلٰی ھُوۡنٍ اَمۡ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ۔ (نحل:58،59) ''جب ان میں سے کسی کولڑکی ہونے کی خوش خبری دی جائے تواس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہےاوردل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے،اس بری خبر کی وجہ سےلوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے کہ اس بُری خبر کے بعد کیاکسی کو منہ دکھائے۔سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کولیے رہے یا مٹی میں دبادے؟ دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ اللہ کے بارے میں لگاتے ہیں''۔

آج لڑکیوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک تونہیں کیا جاتا،البتہ لڑکوں کے مقابلے میں آج بھی انھیں کم تر سمجھا جاتا ہے۔بیٹا پیدا ہونے پر جیسی خوشی محسوس کی جاتی ہے اور جس شادمانی کا اظہار کیا جاتا ہے وہ کیفیت بیٹی کی پیدائش پرنہیں رہتی ، بلکہ ایک قسم کی مایوسی اورمحرومی دیکھنے میں آتی ہے۔ لڑکوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش پرجس قدر توجہ دی جاتی ہے ویسی توجہ لڑکیوں کے معاملے میں نہیں دی جاتی۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عام طور پر والدین یہ سمجھتے ہیں کہ لڑکا مستقبل میں ہمارے کام آئے گا، ہماری خدمت کرے گا اور بڑھاپے میں ہمارے لیے سہارا بنے گا، جب کہ لڑکی شادی کے بعد شوہر کے گھر چلی جائے گی اور وہ سسرال کی ہوکر رہ جائے گی۔اس لیے لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کو اپنے لیے مفید سمجھنے کا مزاج عام ہے،حالانکہ والدین کے حق میں کون مفید ہوگا اورکون مفید نہیں ہوگا، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔قرآن میں جائیداد میں رشتے داروں کے حصوں کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا: اٰبَآؤُکُمۡ وَاَبۡنَآؤُکُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّھُمۡ اَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعًا ۔(نساء:11) ''تمھارے باپ ہوں یاتمھارے بیٹے،تمھیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمھیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، بے شک اللہ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے''۔

یہ مشاہدہ آئے دن ہماری نظروں کے سامنے ہے کہ بعض نوجوان شادی کے بعد اپنے والدین

کونظر انداز کر کے الگ گھر بسا لیتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایسے مگن ہوجاتے ہیں کہ ماں باپ کی خبر گیری کرنے کیا انھیں توفیق نہیں ہوتی۔اس کے برعکس بعض بیٹیاں شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر جانے کے باوجود اپنے والدین کی خدمت کا موقع نکالتی رہتی ہیں۔

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیاں اپنے والدین کے حق میں دنیوی واخروی دونوں اعتبار سے زیادہ مفید ہوتی ہیں۔مسند احمد میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ فَإِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ۔(السلسلة الصحيحة : 3206) ''لڑکیوں کو ناپسند مت کرو، یقیناً وہ (ماں باپ سے بے حد) محبت کرنے والی اور بڑی قیمتی ہیں''۔

یہ دنیوی فائدہ ہوا۔اخروی اعتبار سے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں میں تین خصوصیات پائی جاتی ہیں:

1۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کو جہنم میں داخل ہونے سے بچا لیتی ہیں۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ ۔ (مسلم: باب فضل الإحسان الى البنات :6862) ''جس کو بیٹیوں کے ذریعے آزمایا جائے، وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی''۔

ایک اور روایت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَأَطْعَمَهُنَّ وَسَقَاهُنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِّنَ النَّارِ ۔(ابن ماجہ: باب برالوالدين والإحسان إلى البنات: 3800) ''جس کی تین بیٹیاں ہوں، وہ (ان کی کفالت پر ہونے والی آزمائشوں) پر صبر کرے، اور اپنی حیثیت کے مطابق انھیں اچھا کھلائے ، پلائے اور پہنائے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی''۔

2۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ لڑکیاں والدین کے لیے جنت کا ذریعہ بنیں گی۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ كُنَّ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ يُؤْوِيهِنَّ وَيَرْحَمُهُنَّ وَيَكْفُلُهُنَّ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ۔

(السلسلۃ الصحیحۃ: 1029) ''جس کی تین بیٹیاں ہوں، وہ انھیں اپنے گھر میں (عزت کی) جگہ دے، ان کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ کرے اوران کی کفالت اور پرورش کرے تو اس پر جنت واجب ہے''۔ صحابہ نے دریافت کیا: اگر کسی کی دو بیٹیاں ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو بیٹیاں ہوں تب بھی۔ راویِ حدیث حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اگر صحابہ ایک کے بارے میں بھی دریافت کرتے تو آپ ﷺ ایک کے لیے بھی یہی بشارت سناتے۔

3۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ایسے والدین کو قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ کی رفاقت اور صحبت نصیب ہوگی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: 297) ''جو دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت کے دن مجھ سے اتنا ہی قریب ہوگا جتنا کہ یہ دونوں انگلیاں۔ آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا''۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کفالت میں تعلیم اور پرورش دونوں چیزیں داخل ہیں۔

بیٹیوں کی اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کا ذکر بیٹوں سے پہلے کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ۔ (الشوریٰ: 50) ''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ بعض مفسرین نے لڑکیوں کا ذکر پہلے کیے جانے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں ان کی شان وعظمت کو واضح کرنا مقصود ہے۔

اللہ کے نزدیک فضیلت کا معیار اعمالِ صالحہ ہیں۔ ایک عورت نیک اعمال کے ذریعہ مردوں سے زیادہ بلند مقام حاصل کرسکتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں مریمؑ کا واقعہ مذکور ہے۔ جب ان کی والدہ حاملہ ہوگئیں تو انھوں نے نذر مانی: رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ۔ (آل عمران: 35) ''اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی ہے، تو میری طرف سے قبول فرما''۔ مریمؑ کی والدہ نے اس توقع سے نذر مانی تھی کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا، کیوں کہ اس عہد میں لڑکے ہی اللہ کی عبادت کے لیے وقف کیے جاتے

تھے،مگرلڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوی تو انھیں افسوس ہوا، کہنے لگیں: رَبِّ اِنِّـیْ وَضَـعْتُـهَـآ اُنْثٰی ۔ (آل عمران:36)''پروردگار! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی!۔اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دیتے ہوے فرمایا:وَلَيْـسَ الـذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۔(آل عمران:36)''اور وہ لڑکا (جوانھوں نے چاہا تھا اس لڑکی کے برابر نہیں'۔ یہ کہہ کراللہ تعالیٰ نے اُم مریم کو تسلی دی کہ یہ لڑکی عام لڑکوں کی طرح نہیں بلکہ ان سے بدرجہ افضل ہے۔لہذا افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔یہ فضیلت حضرت مریم کو یقیناً ان کی صالحیت کی وجہ سے عطا ہوی''۔

لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں پر زیادہ توجہ دینا یہ عدل وانصاف کے بھی خلاف ہے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مجلس میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا،اس کا ایک بیٹا دوڑتا ہوا آیا،اس کو اس نے بوسہ دیا اور اپنی گود میں بٹھالیا، کچھ ہی دیر کے بعد اس کی بیٹی آئی ،اس نے اس کو بوسہ دیے بغیر اپنے بازو میں بٹھالیا۔دونوں کے درمیان یہ امتیاز دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: فَمَاعَدَلْتَ بَيْنَهُمَا ۔تونے ان کے درمیان انصاف سے کام نہیں لیا۔(السلسلۃ الصحیحۃ:2994)

عام طور پر تعلیم وتربیت اور دیگر امور میں بیٹی کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔یہ بھی اسلامی تعلیمات اور عدل وانصاف کے خلاف ہے۔حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے عطیہ دیا،نعمان کی والدہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ جب تک تم اللہ کے رسول ﷺ کو اس پر گواہ نہ بناؤ گے میں اس کو تسلیم نہیں کروں گی۔وہ گئے،اور رسول اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ آپ ﷺ اس پر گواہ رہیے،تو آپ ﷺ نے دریافت کیا:أَعْـطَيْـتَ سَـائِـرَ وَلَـدِكَ مِثْـلَ هٰـذَا؟قَالَ:لَا!قَالَ :فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ ۔(بخاری:بـاب الإشهادفی الهبة:2587)''کیا تم دوسرے بچوں کو بھی ویسا ہی تحفہ دیے ہو؟ انھوں نے کہا:نہیں،تو آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو'۔حضرت بشیرؓ کی ایک بیٹی بھی تھی۔

بیٹی کے حقوق میں سے ایک وراثت کا حق ہے۔بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی بچی کی شادی میں بہت کچھ خرچ کیا،اب وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں۔یہ نظریہ سراسر غلط ہے اور اسلامی تعلیمات

کے خلاف ہے۔اسلام نیک مقاصد کے لیے بھی بیٹی کوحق وراثت سے محروم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیمار ہوگئے،آپ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے،وہ کہنے لگے:''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت زیادہ مال عطا کیا ہے،میری وارث صرف ایک بیٹی ہے،کیا میں اپنا دو تہائی مال اللہ کی راہ میں خرچ کرسکتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا:نہیں۔انھوں نے کہا:کیا نصف مال صدقہ کرسکتا ہوں؟آپ ﷺ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی،پھر انھوں نے ایک تہائی حصہ کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے کہا: ایک تہائی حصہ بھی زیادہ ہے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّكَ اَنْ تَـذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌمِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ ۔''تم اپنی اولاد کو مال دار چھوڑ جاؤ،یہ بہتر ہے اس بات سے کہ انھیں محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرے''۔(مسلم:باب الوصية بالثلث:4296)

صحابہ کرامؓ پر آپ ﷺ کی ان تعلیمات کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم وتربیت اور ان کے حقوق کی ادائی پر خصوصی توجہ دینے لگے۔

ہر نوجوان کی خواہش ہوتی ہے کہ کنواری لڑکی سے شادی کرے،تاکہ ازدواجی زندگی پُر بہار رہے۔مگر صحابہ کرامؓ لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی خاطر بیوہ عورت سے شادی کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی شادی ہوی۔جب شادی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: کنواری سے شادی کیے ہو یا بیوہ سے؟انھوں نے جواب دیا کہ بیوہ سے۔آپ ﷺ نے فرمایا:فَهَلَّا جَــارِيَةً تُلَاعِبُهَــا وَتُلَاعِبُكَ ۔''تم نے کنواری سے شادی کیوں نہیں کی؟تم اس سے لطف اندوز ہوتے اور وہ تم سے خوش طبعی کرتی''۔انھوں نے کہا:میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔میری سات چھوٹی بہنیں ہیں۔میں نے اس لیے بیوہ سے شادی کی کہ وہ میری ان بہنوں کی مناسب دیکھ بھال اور تعلیم وتربیت کرسکے۔ (بخاری:کتاب النکاح:باب الثيبات:5079)

حضرت یعقوب بن بختانؒ فرماتے ہیں: میرے یہاں سات بیٹیاں ہویں۔جب بھی میرے ہاں بیٹی کی ولادت ہوتی تو امام احمد بن حنبلؒ میرے پاس تشریف لاتے اور فرماتے: يَـا أَبَايُوْسُفَ !اِنَّ

الْأَنْبِيَاءَ آبَاءُ الْبَنَاتِ ۔’’اے ابو یوسف! انبیاء بھی لڑکیوں ہی کے باپ تھے‘‘۔(تحفۃ المودود باًحکام المولود:ص:26)

رسول اکرم ﷺ کی زندگی اس اعتبار سے بھی ہمارے لیے نمونہ ہے کہ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں ،دو یا تین بیٹے ہوے، جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے ۔آپ ﷺ اپنی بیٹیوں سے بے حد محبت کیا کرتے تھے۔سفر سے جب بھی واپس ہوتے ، پہلے اپنی بیٹیوں کے گھر تشریف لے جاتے ،اس کے بعد ہی ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے۔

بیٹیوں کی شادی کے بعد بھی آپ ﷺ ان کے یہاں تشریف لے جاتے اور ان کی اصلاح وتربیت کا اہتمام فرماتے۔ایک مرتبہ رات کے وقت حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔بیٹی اور داماد دونوں آرام کر رہے تھے۔آپ ﷺ نے انھیں بیدار کر کے فرمایا: کیا تم تہجد نہیں پڑھو گے؟.... (بخاری:باب تحریض النبی اعلی صلاۃ اللیل:1127)

جب بھی بیٹیاں آپ ﷺ کے پاس آتیں ،آپ ﷺ بڑے والہانہ انداز میں ان کا استقبال کرتے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ ملاقات کے لیے آئیں تو آپ ﷺ نے ان کا استقبال کرتے ہوے کہا: مَرْحَبًا یَا بِنْتِیْ۔بیٹی! تمھارا آنا مبارک ہو۔پھر آپ ﷺ نے انھیں اپنے دائیں جانب بٹھایا اور ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ رونے لگیں۔پھر دوسری مرتبہ کچھ کہا، تو وہ خوش ہو گئیں۔بعد میں حضرت عائشہؓ نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت فاطمہؓ نے کہا: وہ ایک راز ہے، جس کو میں فاش نہیں کر سکتی۔آپ ﷺ کے انتقال کے بعد دوبارہ حضرت عائشہؓ نے اس تعلق سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا: پہلی مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے میرے کان میں فرمایا کہ حضرت جبریلؑ ہر سال ایک بار قرآن سنایا کرتے تھے ،اس سال انھوں نے دو مرتبہ قرآن سنایا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آچکا ہے،اور میرے بعد میرے اہلِ خانہ میں تم سب سے پہلے مجھ سے آملو گی۔یہ سن کر میں رونے لگی۔دوسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں پسند نہیں کہ تم خواتینِ جنت کی سردار بنو؟ میں اس خوش خبری پر مسکرائی‘‘۔(بخاری: باب من ناجی بین یدی الناس)

الغرض! بیٹی اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے۔اس کا وجود والدین کے لیے خیر و برکت ہے۔ان کی پیدائش پر خوش ہونا،ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا،انھیں تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کرنا اور جنس کی تفریق کے بغیر بچوں کے درمیان انصاف کرنا یہ اسلام کی اہم تعلیمات ہیں۔آج ان تعلیمات کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے معاشرے میں طرح طرح کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں ۔ضرورت اس بات کی ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں کے جو حقوق اسلام نے دیے ہیں انھیں ہر حال میں ادا کرنے کی کوشش کریں۔ان میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کریں۔اسی میں خیر ہے۔اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

انسانوں کے درمیان سب سے پہلا جو رشتہ قائم ہوا، وہ میاں بیوی کا رشتہ ہے۔ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ان کے جوڑے کا انتظام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔(النساء:1)''اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی''۔

یہ بڑا محترم رشتہ ہے۔ اس کے بغیر انسان کی زندگی ادھوری ہے، اسی میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کا حقیقی سکون واطمینان رکھا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا: وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۔(الأعراف:189)''اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔(الروم:21) ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں، تا کہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اس نے تمھارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں''۔

میاں بیوی کا رشتہ زندگی بھر کا رشتہ ہے، بلکہ یہ رشتہ مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان الفت ومحبت قائم ہوجائے، دونوں باشعور، ہم خیال اور ایک دوسرے کے لیے ہمدرد ہوں تو گھر جنت نشان بن جاتا ہے اور زندگی سکون واطمینان کا گہوارہ بن جاتی ہے، اور اگر ان کے درمیان اختلافات جنم لیں اور ایک دوسرے پر اعتماد ختم ہوجائے تو زندگی اجیرن ہوجاتی ہے اور ہر طرح کے دنیوی عیش وآرام کے باوجود گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس لیے ازدواجی زندگی کی خاطر صحیح جوڑے کا انتخاب ضروری ہے۔ رفیقِ زندگی کے انتخاب کے بہت سے معیارات ہوسکتے ہیں مگر اسلام کے نزدیک قابلِ ترجیح معیار صرف ایک ہے اور وہ ہے دین

داری۔قرآن مجیداوراحادیث میں بے شمارمقامات پراس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اس کی اہمیت کااندازہ ان نصوص سے لگایا جاسکتا ہے۔

1۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:تُنكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَاوَلِجَمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ ۔(بخاری:باب الإكفاء فی الدین: **5090**)''عموماًعورت سے شادی چار بنیادوں پر کی جاتی ہے:اس کے مال،حسن وجمال،حسب نسب اوردین کی بنیادپر۔تم دین داری کوترجیح دو،تمھارا بھلاہو''۔

2۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اَلدُّنْيَامَتَاعٌ وَخَيْرُمَتَاعِ الدُّنْيَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ ۔(مسلم:باب خیرمتاع الدنیاالمرأة الصالحة :**3716**)''دنیابرتنے کاسامان ہے،اوردنیا کاسب سے بہترین سامان نیک عورت ہے''۔

3۔ہرآدمی یہ چاہتاہے کہ اس کی ازدواجی زندگی سکون واطمینان سے گزرے،آپ ﷺ نے اس کاایک ذریعہ نیک بیوی بتایاہے۔آپ ﷺ کاارشاد ہے:أَرْبَعٌ مِّنَ السَّعَادَةِ اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ وَالْجَارُالصَّالِحُ وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيْءُ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ :**282**)''چارچیزیں سعادت مندی کی علامت ہیں ۔ **1**۔نیک بیوی۔**2**۔کشادہ گھر۔**3**۔نیک پڑوسی ۴۔اورآرام دہ سواری''۔

4۔نکاح کوآپ ﷺ نے نصف ایمان قراردیا۔(صحیح الجامع الصغیر:**6148**)اس نصف ایمان کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب کہ صالح جوڑا نصیب ہو۔چناں چہ آپ ﷺ کاارشاد ہے:مَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ امْرَأَةً صَالِحَةً فَقَدْأَعَانَهُ عَلٰى شَطْرِدِيْنِهِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِى الشَّطْرِ الْبَاقِىْ ۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترغیب فی غض البصر: **1916**)''جس کواللہ تعالیٰ نے نیک بیوی عطا کی،گویا نصف دین کی حفاظت میں اس کی مددفرمائی۔اسے چاہیے کہ بقیہ نصف دین کی سلامتی کے لیے اللہ سے ڈرتارہے''۔

5۔ نیک رشتے کی برکت سے اللہ تعالیٰ فقروفاقہ کوختم کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:
وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔(النور:32)''تم میں سے جو بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردواور اپنے نیک بخت غلام اورلونڈیوں کابھی۔اگر وہ غریب بھی ہوں گے تواللہ انھیں اپنے فضل سے امیر بنادے گا''۔

6۔ نیک رشتے کوٹھکرانااور شادی کے معاملے میں دین داری کوترجیح نہ دینا فتنہ وفساد کاباعث ہے۔آپ ﷺ کاارشاد ہے:اِذَا اَتَاكُمْ مَّمَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ ،اِلَّاتَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ ۔(ابن ماجہ:كتاب النكاح:باب الأكفاء:2043)''جب تمھارے پاس کسی ایسے شخص کا رشتہ آئے جس کے دین اوراخلاق سے تم مطمئن ہوں توشادی کردو،ورنہ زمین میں بڑے پیمانے پر فتنہ وفساد پھیل جائے گا''۔

7۔نیک جوڑا حقیقت میں اللہ کاانعام ہے۔اس کوپانے کے لیے ہمیشہ اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔اسی لیے اہل ایمان کو یہ دعاسکھائی گئی: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔(الفرقان:74)''اے ہمارے پروردگار!توہمیں ہماری بیویوں اوراولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطافرمااورہمیں پرہیزگاروں کاپیشوابنا''۔

بیوی کاکردار: شوہرکوراہِ راست پرلانے اوربگاڑنے میں بیوی کااہم کردارہوتا ہے۔ اگر بیوی نیک ہوتو آدمی کی نہ صرف زندگی سنورسکتی ہے بلکہ اس کاساراگھرانا دین دار ہوسکتا ہے اوراگر بیوی نیک نہ ہوتووہ نہ صرف شوہرکوبربادکرسکتی ہے بلکہ سارے افرادِخانہ کی دنیوی واخروی تباہی کابھی وہ ذریعہ بن سکتی ہے۔

کوئی وقت کا کتناہی بڑاآدمی کیوں نہ ہو،بسااوقات اپنی بیوی کے سامنے وہ بے بس اور مجبورہوجاتا ہے۔فرعون نے خدائی کادعوی کیااوراپنی اس خدائی کوبچانے کے لیےاس نے یہ حکم دے رکھاتھاکہ بنی اسرائیل میں پیداہونے والے ہر بچے کوقتل کردیا جائے۔ام موسیٰ کے گھر جب موسیٰ پیداہوئے توانھوں نے وحیِ الٰہی کااشارہ پاکراس دودھ پیتے بچے کوصندوق میں رکھ کرسمندر میں بہا

دیا۔اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ بچہ فرعون کے درباریوں کے ہاتھ لگا۔فرعون اوراس کے درباری چاہتے تھے کہ اس کوقتل کردیں،مگرفرعون کی بیوی نے کہا: قُرَّتُ عَیۡنٍ لِّیۡ وَلَكَ لَا تَقۡتُلُوۡهُ عَسٰۤی اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۔(القصص:9)''یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے،اسے قتل نہ کرو،بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں''۔آخر کار فرعون کی ساری خدائی ہوا ہوگئی اور بیوی کے سامنے اسے جھکنا پڑا۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں میں اُم حکیمؓ بھی تھیں۔ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل آپ ﷺ کے ان سخت ترین دشمنوں میں سے تھے،جن کا جرم ناقابلِ معافی تھا۔فتحِ مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جن لوگوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا،ان میں یہ بھی تھے۔قتل کا حکم سن کر وہ مکہ سے بھاگ نکلے۔ام حکیمؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہویں اوراپنے شوہر کے لیے انھوں نے امان طلب کی تو آپ ﷺ نے امان دے دی۔وہ اپنے شوہر کو تلاش کرتے ہوے ان کے پاس پہنچ گئیں،اوران کو خطاب کر کے کہا:یَاابۡنَ عَمِّ!ھٰذَا أَمَانٌ مَّعِیَ مِنۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ!اِنۡ تُسۡلِمۡ وَتَقۡبَلۡ أَمَانَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَنَا زَوۡجَتُكَ وَاِلَّا انۡقَطَعَتِ الۡعِصۡمَةُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكَ ۔(تاریخ ابن عساکر،بحوالہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں خواتین کی ذمہ داری:79)''اے میرے چچا کے بیٹے!میرے پاس اللہ کے رسول ﷺ کا عطا کردہ امان ہے،اگر تم مسلمان ہوجاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے امان کو قبول کرلو تو میں تمھاری زوجیت میں رہوں گی،بصورتِ دیگر میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا''۔یہ سننا تھا کہ عکرمہ جیسا سخت دل انسان پگھل گیا، اپنی بیوی کے آگے سرِتسلیم خم کردیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

غور کیجیے کہ عکرمہؓ نے آپ ﷺ کی زبان سے کتنی مرتبہ دین حق کی باتیں سنی نہیں ہوں گی،مگر قبولِ حق کی بجائے وہ آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو صفحۂ ہستی سے ختم کرنے کے درپے رہے،لیکن یہ سخت دل انسان اپنی بیوی کے چند بول کے آگے ڈھیر ہوگیا اوراس کی بات ماننے پر مجبور ہوگیا۔

حضرت ام سلیمؓ کے پہلے شوہر مالک بن نضر کا انتقال ہوگیا تو ابوطلحہؓ نے ان سے شادی کی خواہش

ظاہر کی۔ ابوطلحہ مشرک تھے، اس لیے ام سلیمؓ نے کہا: إِنَّـهُ لَا يَـنْبَغِىْ لِىْ أَنْ أَتَزَوَّجَ مُشْرِكًا، أَمَا تَعْلَمُ يَا أَبَـا طَـلْـحَةَ! أَنَّ آلِهَتَـكُمُ الَّتِىْ تَعْبُدُوْنَ يَنْحِتُهَا عَبْدُ آلِ فُلَانٍ النَّجَّارُ وَأَنَّكُمْ لَوْ شَعَلْتُمْ فِيْهَا نَارًا لَاحْتَـرَقَتْ، قَالَ فَانْصَرَفَ عَنْهَا وَقَدْ وَقَعَ فِىْ قَلْبِهِ مِنْ ذٰلِكَ مَوْقِعًا، قَالَ وَجَعَلَ لَا يَجِيْئُهَا يَوْمًا إِلَّا قَـالَـتْ لَـهُ ذٰلِكَ۔ (الطبقات الکبریٰ: 8/ 427) ''ایک مشرک سے نکاح کرنا میرے لیے جائز نہیں، اس وجہ سے میں تم سے نکاح نہیں کرسکتی۔ اے ابوطلحہ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تمھارے یہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو، فلاں خاندان کے ایک بڑھئی نے انھیں اپنے ہاتھوں سے تراشے ہیں۔ اگر تم انھیں آگ میں پھینک دو تو وہ جل جائیں (اور تم جیسا عقل مند، انسان کے تراشیدہ ان بتوں کی عبادت کرتا ہے!)۔ یہ باتیں سن کر ابوطلحہ وہاں سے واپس ہوئے مگر ام سلیمؓ کی بات ان کے دل میں اتر گئی۔ وہ بار بار آتے رہے اور شادی کی پیش کش کرتے رہے، اور ہر بار ام سلیمؓ انھیں وہی جواب دیتی رہیں۔

نسائی کی روایت ہے کہ ام سلیمؓ نے کہا: وَاللّٰهِ مَا مِثْلُكَ يَا أَبَا طَلْحَةَ! لَا يُرَدُّ، وَلٰكِنَّكَ رَجُلٌ كَافِرٌ وَأَنَا امْرَأَةٌ مُسْلِمَةٌ وَلَا يَحِلُّ لِىْ أَنْ أَتَزَوَّجَكَ وَإِنْ تُسْلِمْ فَذَاكَ مَهْرِىْ وَمَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ۔ '' آپ جیسے شریف آدمی کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا مگر آپ کافر ہیں اور میں مسلمان ہوں، میرے لیے حلال نہیں کہ کسی کافر سے شادی کروں، ہاں! اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو یہی میرا مہر ہوگا، میں اس کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ (نسائی: کتاب النکاح، باب التزویج علی الإسلام: 3354) ام سلیمؓ کی یہ باتیں ابوطلحہ کے قبولِ اسلام کا سبب بنیں۔

اس واقعہ کی روشنی میں ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں۔ آج ہمارے معاشرے میں کتنے نوجوان ایسے ہیں جو محض کسی لڑکی کے حسن اور فریب میں آکر دین و ایمان کھو بیٹھتے ہیں اور کافر و مرتد ہو کر ان کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں بندھ جاتے ہیں۔ اس عارضی حسن کے لیے وہ اپنی دائمی آخرت کو برباد کر بیٹھتے ہیں، جب کہ قرآن مجید میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ مومن مرد، مومن عورت ہی سے نکاح کریں، خواہ وہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں کافر و مشرک سے نکاح کو حرام قرار دیا

گیا،خواہ اس کا حسن و جمال بے مثال ہی کیوں نہ ہو۔فرمایا گیا: وَلَاتَنْکِحُوا الْمُشْرِکٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ وَلَاَمَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ خَیْرٌمِّنْ مُّشْرِکَۃٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْکُمْ وَ لَا تُنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکُمْ ۔(البقرۃ:221)''اور شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقت یہ کہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو۔ایمان دار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہتر ہے، گو تمھیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو۔اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان لائیں، ایمان دار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمھیں اچھا لگے''۔

زندگی میں بعض معاملات ایسے پیش آتے ہیں کہ اچھے اچھے مردوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں، کچھ سجھائی نہیں دیتا، ایسے میں نیک بیوی کے چند بول، اس کا صحیح مشورہ اور اس کی صحیح رہ نمائی انسان کے ڈگ مگاتے قدموں کو ثبات عطا کرتی ہے، اس کو ہلاکت سے بچالیتی ہے، اور انتہائی سنگین حالات میں بھی اس کے لیے صحیح سمت متعین کرتی ہے۔پہلی وحی کے موقع پر رسول اکرم ﷺ پریشان حال گھر لوٹے تو سارا واقعہ اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کو سنایا اور کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔اس موقع پر حضرت خدیجہؓ نے ایسے الفاظ میں تسلی دی کہ پھر زندگی بھر آپ ﷺ نے کبھی جان کا خطرہ محسوس نہیں کیا۔

6ھ میں آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ اپنے اصحابؓ سمیت مسجدِ حرام میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کر رہے ہیں۔آپ ﷺ نے صحابہؓ کو اس خواب کی اطلاع دی اور یہ بھی بتادیا کہ آپ ﷺ عمرہ ادا فرمائیں گے۔لہٰذا اصحابہ کرامؓ بھی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ آپ ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہوے۔مکہ والوں کو اس کی اطلاع ہوی تو انھوں نے آپس میں طے کیا کہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کو بیت اللہ سے دور رکھا جائے۔حدیبیہ نامی جگہ پر پہنچ کر آپ نے پڑاؤ کیا۔دونوں کے درمیان کئی دنوں تک بات چیت ہوتی رہی۔کئی دنوں کی کوشش کے بعد آخر اس بات پر صلح ہوی کہ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں گے۔

یہ ایسا فیصلہ تھا، جس سے صحابہ کرامؓ مطمئن نہیں تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے معاہدۂ صلح لکھانے کے بعد فرمایا: اٹھو! اور اپنے اپنے جانور قربان کردو۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں کوئی بھی نہیں اٹھا، حتیٰ کہ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی۔ آپ ﷺ پریشانی کے عالم میں ام المؤمنین ام سلمہؓ کے پاس گئے اور لوگوں کے طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ ام المؤمنین نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو تشریف لے جایئے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا جانور ذبح کر دیجیے اور سر منڈوا لیجیے۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو خود بھی اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے۔ اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے''۔ (اس واقعے کی تفصیل ''الرحیق المختوم'' ص: 527 تا 537 میں دیکھی جاسکتی ہے)

یہ واقعہ نیک بیوی کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسی وجہ سے اسلاف کرامؒ نکاح کے لیے نیک اور دین دار عورت کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت علیؓ جن کی زندگی بچپن سے لے کر جوانی تک آپ ﷺ کے گھر میں بسر ہوی، وہ آپ ﷺ کے گھر کو قریب سے دیکھ چکے تھے، تین تین دن تک گھر میں چولھا نہیں سلگتا تھا۔ اکثر فاقوں کی نوبت آتی تھی۔ اس کے باوجود آپؓ نے جب شادی کرنی چاہی تو نظر انتخاب اسی غریب گھرانے کی لڑکی فاطمہؓ بنت محمد ﷺ پر پڑی، کیوں کہ آپؓ کو اچھی طرح علم تھا کہ فاطمہؓ دنیا کی سب سے نیک خاتون ہیں۔ اسی دین داری کی بنیاد پر آپؓ نے فاطمہؓ سے نکاح کو پسند کیا۔

حضرت ابوبکرؓ ایک مال دار صحابیؓ تھے، اگر آپؓ چاہتے تو اپنی بیٹی کا نکاح کسی متمول گھرانے کے فرد سے کرا سکتے تھے، مگر آپؓ نے اپنی (دوسری) بیٹی اسماء بنت ابی بکرؓ کا نکاح ایک غریب صحابی حضرت زبیر بن العوامؓ سے کیا، محض اس وجہ سے کہ وہ دین دار تھے۔ حضرت زبیرؓ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، یعنی ان دس صحابہؓ میں سے جنھیں رسول اکرم ﷺ نے اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی تھی۔

دین داری کے علاوہ دوسرے سارے معیارات اسلافِ کرامؒ کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ اگر دین داری نہ ہو تو وہ بڑے سے بڑے رشتے کو بھی ٹھکرا دیا کرتے تھے۔ خلیفۂ وقت عبدالملک

بن مروان نے اپنے بیٹے سلیمان بن عبدالملک کے لیے سیدالتابعین سعید بن المسیبؒ کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔سعید بن المسیبؒ چاہتے تو اپنی بیٹی کا رشتہ شہزادے سے کرا سکتے تھے۔اوران کی بیٹی دنیوی لحاظ سے عیش وآرام کی زندگی بسر کر سکتی تھی ،مگر آپؒ جانتے تھے کہ اس صورت میں بیٹی کی دنیا تو سنورے گی مگر آخرت خطرے میں ہوگی ۔اس لیے آپؒ نے اس رشتے کو ٹھکرا دیا۔اس کے برعکس آپؒ کے ایک غریب شاگرد تھے، جو کئی دنوں کی غیر حاضری کے بعد درس میں حاضر ہوے تھے۔درس ختم ہونے کے بعد انھیں اپنے قریب بلایا اور غیر حاضری کا سبب دریافت کیا تو وہ کہنے لگے: میری بیوی طویل بیماری کے بعد انتقال کر گئی ، اس پریشانی میں شریکِ درس نہیں ہوسکا۔آپؒ نے تعزیتی کلمات ادا کرنے کے بعد پوچھا کہ کیا دوسری شادی نہیں کروگے؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ غریب کو کون لڑکی دے گا۔آپؒ نے کہا کہ میں اپنی بیٹی سے تمھارا نکاح کرتا ہوں۔اسی وقت اپنی بیٹی کا نکاح اس غریب طالب علم سے کردیا اور اسی دن خود اپنی بیٹی کو اس کے گھر پہنچا دیا‘‘۔

نیک اور صالح بیوی خیر وبرکت کا ذریعہ ہوتی ہے۔اگر اس سے کچھ کوتاہی یا لغزش بھی ہوجائے تو صبر اور برداشت سے کام لیتی ہے۔آپ ﷺ کی بیویوں میں سے ایک حضرت حفصہؓ بھی تھیں، کسی وجہ سے آپ ﷺ ان سے ناراض ہوگئے اور ایک طلاق بھی دے دی۔حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: رَاجِعْ حَفْصَةَ فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ، وَإِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ ۔(صحیح الجامع الصغیر: 4351)’’حفصہؓ سے رجوع فرمالیں، کیوں کہ وہ نفل روزوں کی بڑی پابند اور تہجد کا خوب اہتمام کرنے والی خاتون ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی‘‘۔

بیوی اگر نیک نہ ہو تو زندگی سے خیر وبرکت ختم ہوجاتی ہے ، چین وسکون غارت ہوجاتا ہے اور زندگی مصائب ومشکلات کا شکار ہوجاتی ہے۔اسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اپنی نافرمان بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا اور شکر گزار بیوی کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارنے کی نصیحت فرمائی۔۔(بخاری: باب قول الله : واتخذالله ابراهيم خليلا: 3358)

غرض ازدواجی زندگی کے لیے نیک جوڑے کا انتخاب بے حد ضروری ہے۔اس وقت مسلم

معاشرہ اس معاملے میں بڑی سخت غفلت کا شکار ہے۔ یہاں دولت اور حسن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ دین داری کی حیثیت محض ثانوی چیز ہو کر رہ گئی ہے۔اس بے اعتدالی کی وجہ سے مسلمانوں کا خاندانی نظام جس پراگندگی اور پریشان حالی کا شکار ہے اس سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں۔اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے دین دار جوڑوں کا انتخاب کریں۔ان شاءاللہ یہ چیز ہماری دینی اور اُخروی کامیابی کا ذریعہ بنے گی۔

اللہ تعالیٰ ان تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

ماہِ محرم

’’ماہِ محرم‘‘ اس مہینے کے نام ہی سے واضح ہے کہ یہ حرمت اور عظمت والا مہینہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس مہینے کو شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ یعنی ’’اللہ کا حرمت بخشا ہوا مہینہ قرار دیا ہے‘‘۔ (مسلم: باب فضل صوم المحرم) سب مہینے اللہ ہی کے ہیں مگر خصوصیت کے ساتھ اس کو اللہ کا حرمت بخشا ہوا مہینہ قرار دے کر اس کی عظمت اور فضیلت واضح کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ . (التوبہ: 36) ’’مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے۔ اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے۔ ان میں چار حرمت وادب کے ہیں۔ یہی درست دین ہے، تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو‘‘۔

ان چار مقدس مہینوں میں سے ایک محرم الحرام بھی ہے، بقیہ تین مہینے رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔ اسلام سے قبل عرب کے جاہل اور مشرک بھی ان چار مہینوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ان مہینوں میں جنگ وجدل اور ظلم وزیادتی سے باز رہتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ان مہینوں میں اپنے کسی باپ کے قاتل کو بھی پاتا تو ان مہینوں کی حرمت کا خیال کرتے ہوئے اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔

اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام اور آخری مہینہ ذی الحجہ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی سال آغاز بھی حرمت والے مہینے سے کیا اور اس کا اختتام بھی حرمت والے مہینے پر کیا۔

ماہِ محرم کے روزے : ماہِ محرم کے روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ رمضان کے بعد سب سے

افضل روزے کون سے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شَهْرُاللّٰهِ الَّذِيْ تَدْعُوْنَهُ اَلْمُحَرَّمَ ۔''اللہ کے مہینے کے روزے جسے تم محرم کے نام سے یاد کرتے ہو''۔(ابن ماجہ: باب صیام أشھر الحرم :1814)

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں : أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُاللّٰهِ الْمُحَرَّمُ ۔ (مسلم: باب فضل صوم المحرم :2812)''رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم الحرام کے ہیں''۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:''اس حدیث میں صراحت ہے کہ رمضان کے بعد ماہِ محرم روزوں کے لیے افضل مہینہ ہے''۔(55/8)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل روزوں میں سب سے افضل محرم الحرام کے روزے ہیں''۔(نیل الأ طار:4/241)

ماہِ محرم صرف مسلمانوں کے نزدیک ہی بابرکت نہیں بلکہ دنیا کی اکثر قوموں کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے ۔اہل عرب محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ يَوْمًا تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ۔(ابوداؤد: باب فی صوم یوم عاشوراء:2444)''زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اکرم ﷺ بھی دورِ جاہلیت میں اس کی پابندی کیا کرتے تھے''۔

یہود بھی عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں : لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَالْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا هٰذَاالْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهُ؟فَقَالُوْا:هٰذَايَوْمٌ عَظِيْمٌ أَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ ۔(مسلم: باب صوم یوم عاشوراء :2714)''رسول اکرم ﷺ ہجرت کرکے جب مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی

عاشورا کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر انھوں کہا کہ یہ ایک تاریخی دن ہے ،اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اوران کی قوم کوفرعون کے ظلم وستم سے نجات دی اورفرعون اوراس کی قوم کوسمندر میں غرق کردیا،موسیٰؑ نے شکریے کے طور پر اس دن روزہ رکھا،ہم بھی ان کی اتباع میں روزہ رکھتے ہیں‘‘۔

نصاریٰ بھی یوم عاشورا کی تعظیم کیا کرتے تھے۔جیسا کہ حدیث میں وارد ہے : اِنَّہُ یَوْمٌ تُعَظِّمُہُ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی ۔’’یہ وہ دن ہے جس کی یہود ونصاریٰ تعظیم کیا کرتے ہیں‘‘۔(مسلم:باب أی یوم یصام فی عاشوراء:2722)

مدینہ پہنچنے کے بعد جب آپ ﷺ کو یوم عاشورا کے روزے کی حقیقت معلوم ہوی جس کا اہتمام یہودی کیا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے کہا: فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ فَصَامَہُ وَأَمَرَبِصِیَامِہِ. (مسلم:باب صوم یوم عاشوراء:2714)’’موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے تم سے زیادہ حق دار ہم ہیں، پھر آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اوراپنے اصحاب کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا‘‘۔

آپ ﷺ اس روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:مَا رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَتَحَرّٰی صِیامَ یَوْمٍ فَضَّلَہُ عَلٰی غَیْرِہِ اِلَّاھٰذَاالْیَوْمَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَھٰذَاالشَّھْرَیَعْنِیْ شَھْرَ رَمَضَانَ ۔(بخاری:باب صیام یوم عاشوراء :2006)’’میں نے رسول اکرم ﷺ کو یوم عاشورااور رمضان المبارک کے روزوں سے بڑھ کرکسی بھی روزے کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا‘‘۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل آپ ﷺ خوداس کا اہتمام کرتے اورصحابہ کرامؓ کو بھی اس کے اہتمام کا تاکیدی حکم دیتے۔چناں چہ ربیع بنت معوذؓ کہتی ہیں: أَرْسَلَ النَّبِیُّ ﷺ غَدَاۃَ عَاشُوْرَاءَ اِلٰی قُرَی الْأَنْصَارِ: مَنْ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْیُتِمَّ بَقِیَّۃَ یَوْمِہِ وَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًافَلْیَصُمْ قَالَتْ فَکُنَّا نَصُوْمُہُ بَعْدُ وَنُصَوِّمُ صِبْیَانَنَاوَنَجْعَلُ لَھُمُ اللُّعْبَۃَ مِنَ الْعِھْنِ فَاِذَا بَکٰی أَحَدُھُمْ عَلَی الطَّعَامِ أَعْطَیْنَاہُ ذٰلِکَ حَتّٰی یَکُوْنَ عِنْدَالْاِفْطَارِ. (بخاری: باب صوم الصبیان: 1960)’’رسول اکرم ﷺ نے عاشورا کی صبح انصار کی بستیوں میں ایک منادی کو بھیجا جس نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص روزے

سے نہیں وہ (روزے کی نیت کرلے اور) بقیہ دن روزے میں گزاردے اور جس نے روزے کی نیت کی ہے وہ اپنی نیت کو برقرار رکھے۔ (ربیع بنت معوذؓ کہتی ہیں) ہم اس دن روزہ رکھتے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے، جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو ہم ان کے سامنے کھلونے رکھ دیتے تاکہ وہ روزہ مکمل کرلیں''۔

عاشورا کے ساتھ محرم کی نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب صحابہ کرامؓ کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ نے کہا: اِنَّهُ يَوْمٌ تُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ ۔ ''یہ وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود ونصاریٰ کیا کرتے ہیں''۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ہم آئندہ سال نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے (تاکہ ان کی مشابہت سے محفوظ رہیں)۔ (مسلم: باب ای یوم یصام فی عاشوراء: 2722)

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لَئِنْ بَقِيْتُ اِلىٰ قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ ۔ (مسلم: باب فی أی یوم یصام فی عاشوراء: 2723) ''اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ضرور محرم کی نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: فَلَمَّافَرَضَ رَمَضَانَ كَانَ هُوَالْفَرِيْضَةَ وَتَرَكَ الْعَاشُوْرَاءَ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ ۔ (ابوداؤد: باب فی صوم یوم عاشوراء: 2444) ''جب رمضان کے روزے فرض کردیے گئے تو آپ ﷺ نے عاشورا (کے روزے کا وہ اہتمام جو پہلے کیا کرتے تھے) ترک کردیا، صحابہؓ میں جو چاہتے روزہ رکھ لیتے اور جو چاہتے ترک کردیتے''۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے: هٰذَا يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ وَلَمْ يَكْتُبِ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَأَنَا صَائِمٌ فَمَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ ۔ (صحیح الجامع الصغیر: 7002) ''یوم عاشورا کا روزہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض نہیں کیا ہے، البتہ میں اس دن روزہ رکھتا ہوں، تم میں سے جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے''۔

اس روزے کے ثواب کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ

السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهُ ۔ (ابوداؤد: بـاب فی صوم الدھر تطوعا :2427)''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روزے کی وجہ سے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف فرمائے گا''۔

شہــــادت حسیـــن: اس ماہ کی دسویں تاریخ (یوم عاشورا کے دن) ہی کو شہادت حسینؓ کا ایک افسوس ناک سانحہ بھی پیش آیا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔کئی ایک اجلۂ صحابہؓ نے ان کے اس فیصلے سے اتفاق نہیں کیا،جن میں حضرت حسینؓ بھی تھے۔اہل کوفہ نے بھی یزید کی خلافت کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور پے در پے حضرت حسین ؓ کو خطوط لکھے کہ آپؓ یہاں تشریف لائیں، ہم آپؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیتے ہیں۔حضرت حسینؓ ان کے فریب میں آ گئے اور کئی ہمدردوں اور خیر خواہوں کے سمجھانے کے باوجود اپنے ارادے پر جمے رہے اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ابھی راستے ہی میں تھے کہ کوفہ والوں کی سازش کا شکار ہو گئے اور شہید کر دیے گئے۔

حضرت حسینؓ کی شہادت یقیناً امت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے،لیکن خود حضرت حسینؓ کے حق میں یہ کوئی مصیبت نہیں بلکہ یہ ان کے لیے شہادت کا عظیم رتبہ ہے۔شہادت اسلام میں نبوت اور صدیقیت کے بعد تیسرا بڑا درجہ ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَـنْ یُّـطِـعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ج وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْـقًا ۔(النساء:69)''اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ۔یہ بہترین رفیق ہیں''۔

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا مقام اللہ کے نزدیک بہت اونچا ہے،جیسا کہ فرمایا گیا : وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔(البقرہ:154)''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنھیں مردہ نہ کہو۔ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں،مگر تمھیں اُن

کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا''۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ،فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔(آل عمران:170،169)''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انھیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں''۔

حضرت حسینؓ کی شہادت پر ہر سال ماہ محرم میں جس طرح سوگ منایا جاتا ہے، نوحہ اور ماتم کیا جاتا ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ خود حضرت حسینؓ سے سچی محبت کی علامت بھی نہیں ہے۔ مسلمان پر کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ آئے وہ ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (البقرہ:156،155)''آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجیے (جن کی یہ عادت ہے) کہ اُن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

میت پر نوحہ اور ماتم کرنا شرعاً ناجائز بلکہ حرام ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ۔(بخاری:باب ليس منامن شق الجيوب :1294)'' جس نے منہ پیٹا، گریبان پھاڑ لیا اور جاہلیت کے بین کیے وہ ہم میں سے نہیں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:اَلنِّيَاحَةُ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ ۔(ابن ماجہ:كتاب الجنائز:باب في النهي عن النياحة :1648)''میت پر نوحہ کرنا جاہلیت کا عمل ہے''۔

اسلامی تاریخ میں بہت سی اہم شخصیتوں کا قتل ہوا، مگر کسی کا اس طرح نوحہ نہیں کیا جاتا جس طرح حضرت حسینؓ کا نوحہ کیا جاتا ہے۔ جنگ احد میں ستر جلیل القدر صحابہ کرامؓ قتل کر دیے گئے۔ اسی جنگ

میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا۔ آپ ﷺ نے انھیں ''سید الشہداء'' کا لقب دیا۔(صحیح الجامع الصغیر:1358)

حادثۂ رجیع میں بارہ صحابہؓ اور حادثۂ بئر معونہ میں ستر صحابہؓ کو دھوکے سے قتل کیا گیا جو اسلام کے بہترین داعی اور مبلغ تھے۔ اس واقعے کا اس قدر صدمہ ہوا کہ مسلسل ایک مہینے تک قنوت نازلہ کا اہتمام کیا جس میں قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے، مگر آپ ﷺ نے کسی کا نہ سوگ منایا اور نہ ان کے لیے نوحہ اور ماتم کی محفلیں منعقد کیں، بلکہ جن لوگوں نے نوحہ کیا ان کی نکیر فرمائی۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی کئی صحابہ کرامؓ قتل کیے گئے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کا قتل نماز کی حالت میں ہوا اور عثمان ذی النورینؓ کا قتل اس بے دردی سے ہوا کہ مخالفین نے بائیس دنوں تک آپؓ کو گھر ہی میں محصور رکھا، کھانے پینے کی ہر چیز پر روک لگائی، بائیس دنوں کے بعد صدر دروازے کو آگ لگا کر اندر گھس آئے اور آپؓ کو قتل کر دیا، اس وقت آپؓ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے۔ خود حضرت حسینؓ کے والد حضرت علیؓ کو بھی دشمنوں نے قتل کیا۔ اس کے علاوہ کئی ایک اجلۂ صحابہؓ کو قتل کیا گیا۔ اس وقت موجود صحابہ کرامؓ نے کبھی ان شہیدوں کا ماتم نہیں کیا اور نہ مسلمانوں میں سے کسی نے ایسی کوئی حرکت کی۔

تعزیہ اور ماتم کی ابتدا: حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے کئی رشتے دار موجود تھے، کسی نے ان کا نوحہ اور ماتم مروجہ طریقے کے مطابق نہیں کیا۔ نوحہ و ماتم کا مروجہ طریقہ شیعیت اور رافضیت کی ایجاد ہے جو خیر القرون کے بہت بعد وجود میں آیا۔ مشہور مؤرخ اکبر شاہ نجیب آبادی لکھتے ہیں: ''352ھ کے آغاز میں شیعی حکم راں معز الدولہ نے حکم دیا کہ دس محرم کو حضرت حسینؓ کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند کر دی جائیں، خرید و فروخت بالکل موقوف رہے، شہر اور دیہات کے لوگ ماتمی لباس پہنیں اور علانیہ نوحہ کریں۔ عورتیں اپنے بال کھولے ہوے، چہروں کو سیاہ کیے ہوے، کپڑوں کو پھاڑتے ہوے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی، منہ نوچتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوی نکلیں۔ شیعوں نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے، کیوں کہ شیعوں کی

حکومت تھی‘‘۔(تاریخ اسلام:اکبر شاہ نجیب آبادی:2/566)

’’ہندوستان میں تعزیہ کی ابتداء تیمور لنگ کے زمانے میں اس کی کوششوں سے 880ھ میں ہوی۔ بتایا جاتا ہے کہ تیموری دور میں بادشاہ، وزراء اور عمالِ حکومت عام طور پر شیعہ تھے اور حکومت کی مصروفیات کی وجہ سے ہر سال کربلا جانا ان کے لیے مشکل تھا، اس لیے تیمور لنگ نے کربلا سے حضرت حسینؓ کے روضے کی نقل منگوائی اور اسے تعزیے کی شکل میں تیار کردیا، تاکہ لوگ اس کے ذریعے کربلائے معلیٰ کی زیارت کا ثواب حاصل کریں۔ چناں چہ یہی ہوا اور بجائے کربلا کے اس کی نقل کی زیارت ہونے لگی اور اس نے بہت جلد وہ شکل اختیار کرلی جواب رائج ہے‘‘۔(مواعظ حسنہ۔ مولانا عبدالرب گونڈوی: ج:2/338)

ھجری سن کا آغاز : محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ ہجری سن کا آغاز حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا۔ عہد فاروقی میں جب امور سلطنت اور اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوا تو سیاسی امور کی انجام دہی میں تاریخ لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ امیر المومنین کی جانب سے گورنروں کو جو خطوط پہنچتے یا گورنروں کی جانب سے امیر المومنین کے پاس جو خطوط آتے ان پر تاریخ درج نہیں ہوتی، جس سے معاملات کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی۔ اس بنا پر صحابہ کرامؓ نے ضرورت محسوس کی کہ مسلمان جو ایک مکمل دین، مستقل تہذیب اور مثالی تاریخ رکھتے ہیں، ان کی اپنی اسلامی تاریخ ہونی چاہیے، جس کی بنیاد کسی اسلامی واقعے پر ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے امیر المومنین کو خصوصیت کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائی، امیر المومنین نے صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ تجویز رکھی، سب نے اس کو پسند کیا۔

امیر المومنین نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا کہ اسلامی تاریخ کا آغاز کس واقعے سے کیا جائے؟ صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی رائے دی۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ اسلامی تاریخ کی ابتدا ہجرت کے واقعے سے کی جائے کیوں کہ ہجرت کا واقعہ اسلامی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک طرف مسلمانوں کی مکی زندگی کی یاد دلاتا ہے جہاں مسلمان مجبور و مظلوم تھے، قبول اسلام کی وجہ سے

انھیں طرح طرح سے ستایا گیا، اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے مختلف کوششیں کی گئیں، ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، مال ومتاع چھین لیا گیا، قتل کی دھمکیاں دی گئیں، مال ودولت اور جاہ ومنصب کا لالچ دیا گیا۔ بالآخر مسلمان مجبور ہوکر اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنے گھر بار اور ملک ووطن چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اور رات کی تاریکیوں میں ظالموں کی نظروں سے بچتے ہوے حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ ظالموں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک رات آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ جیسے ہی آپ ﷺ گھر سے نکلیں، آپ کا کام تمام کر دیا جائے، مگر آپ ﷺ اسی رات اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوے۔ معاندین اسلام ہر ممکن کوشش کے باوجود نہ آپ ﷺ کو قتل کر سکے اور نہ اسلام کے بڑھتے سیلاب کو روکنے میں کامیاب ہو سکے۔ اس طرح مکہ کی اس تاریک رات کے بعد مدینہ میں اسلام کی ایک نئی صبح اور نئے دور کا آغاز ہوا۔ ہجرت کے بعد صرف دس سال کی قلیل مدت میں اسلام جزیرۂ عرب سے نکل کر روم وایران کی سرحدوں کو پھاندتا ہوا ان کے ایوان شاہی کے آہنی دروازوں پر دستک دینے لگا۔ ہجرت کا یہی وہ روشن پہلو تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے اسلامی تاریخ کی بنیاد اس واقعے پر رکھی اور اس کی ابتدا محرم الحرام کے مہینے سے کی۔ ''ہجرت کا واقعہ ربیع الاول میں پیش آیا تھا لیکن چوں کہ تمام قبائل عرب عربی سال کا پہلا مہینہ محرم کو گردانتے تھے، اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع محرم سے اسلامی سنہ کا اجرا کیا گیا''۔ (الفاروق، علامہ شبلیؒ)

نئے سال کا آغاز اور امت مسلمہ کا طرز عمل: دنیا کی ساری قومیں نئے سال کا آغاز خوشی اور مسرت کے جذبات اور نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ کرتی ہیں۔ فالِ نیک کے طور پر ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک بادی دیتی ہیں۔ زندہ قومیں، ترقی پسند تحریکات اور آگے بڑھنے کا جذبہ رکھنے والے افراد اپنے ماضی کا محاسبہ کرتے ہیں۔ نقائص اور ان کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں، پھر نقصان کی تلافی، حال کی تعمیر اور مستقبل کی ترقی کا منصوبہ اور لائحہ عمل بناتے ہیں مگر امت مسلمہ کے

بعض افراد اپنے نئے سال کا آغاز نوحہ اور ماتم سے کرتے ہیں۔ایک بڑی تعداد کو یہ تک نہیں معلوم کہ ماہ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔وہ صرف یہ جانتی ہے کہ اس ماہ میں نواسۂ رسول حضرت حسینؓ کی شہادت ہوی۔شہادت حسینؓ ان کے نزدیک دنیاے اسلام کی سب سے بڑی شہادت ہے۔یہ اسلامی تعلیمات سے دوری اور شیعیت کا اثر قبول کرنے کا نتیجہ ہے۔اللہ ہمیں ان بدعات وخرافات سے بچائے اور نئے سال کے آغاز میں اپنے ماضی کا محاسبہ کرتے ہوے مستقبل کے لیے ایسا لائحہ عمل تیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو دونوں جہاں کی کامیابی کا ضامن ہو۔آمین ۞۞۞

نحوست اور بدفالی

اسلام سے قبل اہلِ عرب میں بہت سی بدعات وخرافات اور رسوم واوہام پائے جاتے تھے۔ان ہی میں سے ایک نحوست کا تصور ہے۔

اہلِ عرب دنوں میں بدھ کے دن کواور مہینوں میں صفر کے مہینے کومنحوس اور نامبارک سمجھتے تھے۔ ماہِ صفر میں کوئی اہم کام انجام دینے، اور مسرت کی کوئی تقریب منعقد کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ مولانا عبدالسلام بستویؒ لکھتے ہیں:''جاہلیت کے لوگ اپنے باطل عقیدے کی وجہ سے صفر کے مہینے کومنحوس سمجھتے تھے اوراس کوخیروبرکت سے خالی جانتے تھے۔اس مہینے میں جنگ وجدل کرتے اور مکان خالی کر کے چلے جاتے اورآپس میں لوٹ مار کرتے۔ان کی اس بدعملی کی وجہ سے یہ مہینہ ان کے نزدیک بے خیروبے برکت کا بن گیا''۔(اسلامی خطبات:1/646)

ایسا ہی کچھ خیال اہلِ عرب کا ماہِ شوال سے متعلق بھی تھا،جس کی تردید کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:''رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے شوال کے مہینے میں شادی کی،اورشوال ہی کے مہینے میں میری رخصتی عمل میں آئی۔(وہ کہتی ہیں اگران مہینوں میں شادی کرنا منحوس ہوتا تو آپ ﷺ کی بیویوں میں سب سے زیادہ منحوس میں ہوتی،مگر)امہات المومنین میں مجھ سے زیادہ خوش قسمت کون ہے؟''۔(مسلم: باب استحباب التزوج والتزويج في شوال..:3548)

عرب کے لوگ کچھ پرندوں کوبھی منحوس سمجھتے تھے۔رات کے وقت جب اُلّو پکارتا تو کہتے کہ کوئی بڑی آفت اورمصیبت آنے والی ہے۔(شرح النووی علی مسلم)

علامہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں:اہلِ جاہلیت کا دستورتھا کہ اگراُلوکسی کے مکان پر بیٹھ جاتا تووہ اس کونحوست سے تعبیر کیا کرتے تھےاور کہتے تھے:نَعَتَ اِلَيَّ نَفْسِيْ أَوْأَحَدًا مِّنْ أَهْلِ دَارِيْ۔ (هداية المستفيد: 2/846)''اب یا تو میری موت کا وقت آگیا ہے یا میرے گھر والوں میں سے

کوئی مرنے والا ہے‘‘۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اس باطل خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: لَاعَدْوٰی وَلَاصَفَرَ وَلَاھَامَّۃَ ۔ (ابوداؤد :باب فی الطیرۃ) ’’کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ ہی صفر کا مہینہ منحوس ہے اور نہ اُلو کا بولنا (اپنے اندر اچھا برا) اثر رکھتا ہے‘‘۔

اہلِ عرب کا معمول تھا کہ جب سفر پر نکلنے کا ارادہ کرتے یا کوئی کام شروع کرنا چاہتے تو پرندے کو اُڑاتے۔ اگر پرندہ دائیں جانب اُڑتا تو سمجھتے کہ سفر مبارک اور کام بہتر ہوگا اور اگر بائیں جانب اڑتا تو بدشگونی لیتے ہوئے سمجھتے کہ سفر کرنا اور کام کا آغاز کرنا نقصان دہ ہے۔ حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ لوگوں کو درس دے رہے تھے۔ اتنے میں ایک پرندہ چہچہاتا ہوا وہاں سے گزرا۔ مجلس میں سے ایک شخص نے کہا: اس کا چہچہانا ہمارے حق میں خیر کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ’’اس کے چہچہانے میں نہ تو خیر ہے اور نہ شر‘‘۔ (نضرۃ النعیم :9/4197)

زیاد بن ابی مریمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن ابی وقاصؓ جنگ کے لیے پابرکاب تھے کہ اچانک کچھ ہرن دوڑتے ہوئے قریب آئے، پھر پلٹ کر واپس ہوگئے۔ لشکر میں موجود ایک شخص نے کہا: یَاسَعْدُ! اِنْزِلْ أَصْلَحَكَ اللّٰهُ ۔ ’’اے سعد! اتر جاؤ، اللہ تمھارا بھلا کرے‘‘۔ یعنی اب تمھارا سفر جاری رکھنا مناسب نہیں۔ حضرت سعدؓ نے اس شخص سے کہا کہ تم نے ان کے آنے کو منحوس سمجھا، یا ان کے پلٹ کر جانے کو؟ پھر آپ نے کہا: اِنَّ هٰذِهِ الطِّيَرَةَ لَبَابٌ مِّنَ الشِّرْكِ ۔ ’’یاد رکھو! یہ بدشگونی اور بدفالی شرک کا دروازہ ہے‘‘۔ (مصنف عبدالرزاق :10/404)

اہلِ عرب بعض انسانوں کو بھی منحوس سمجھا کرتے تھے۔ جب بھی انفرادی یا اجتماعی کوئی نقصان پہنچتا تو رسولوں سے کہتے: قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (یس:18) ’’ہم تو تمھیں منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمھیں سنگسار کر دیں گے اور ہمارے ہاتھوں تمھیں دردناک سزا ملے گی‘‘۔

رسولوں نے جواب دیا: طَآئِرُکُمْ مَّعَکُمْ اَئِنْ ذُکِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۔ (یس:19) ''تمھاری فالِ بد تو تمھارے اپنے ساتھ لگی ہوی ہے، کیا یہ باتیں تم اس لیے کرتے ہو کہ تمھیں نصیحت کی گئی؟ اصل بات یہ ہے کہ تم حد سے گزرے ہوے لوگ ہو''۔

قومِ ثمود کو جب بھی کوئی مصیبت یا پریشانی لاحق ہوتی تو حضرت صالح علیہ السلام سے کہتی: اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ. (النمل:47) ''ہم تو تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں''۔ یعنی اے صالح! یہ تمھارے اور تمھارے متبعین کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ صالح علیہ السلام نے جواب دیا: قَالَ طٰٓئِرُکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ. (النمل:27) ''(صالح نے کہا) تمھاری نحوست تو اللہ کے پاس ہے''۔

کچھ یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بھی تھا: فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (اعراف:131) ''جب اچھا دور آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں اور جب برا دور آتا تو موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لیے فالِ بد ٹھہراتے، حالانکہ درحقیقت ان کی فالِ بد تو اللہ کے پاس تھی مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے''۔

اہل مکہ کی رَوِش بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۔ ''اگر انھیں کوئی فائدہ پہنچتا تو کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے (اے محمد!) یہ تمھاری بدولت ہے''۔ ان کے جواب میں کہا گیا: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ. ''کہو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے''۔ (النساء:78)

یہ سارے توہمات مسلم معاشرے میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ مولانا عبدالسلام بستویؒ لکھتے ہیں: ''دورِ حاضر میں بعض مسلمان بھی اس ماہ (صفر) کو منحوس اور نامبارک سمجھتے ہیں، اس مہینے میں شادی بیاہ کرنے کو برا سمجھتے ہیں اور خصوصاً اس ماہ کے ابتدائی تیرہ دنوں کو تو بہت ہی منحوس سمجھتے ہیں، اس لیے اس مبارک مہینے کو بعض لوگ ''تیرا تیزی'' کہتے ہیں۔ اپنے فاسد عقیدے کے مطابق من گھڑت

نحوست کو دور کرنے کے لیے چنے کو ابال کر کھاتے اور تقسیم کرتے ہیں، اس کو باعثِ خیر و برکت سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُبلے ہوے چنے کھانے اور کھلانے سے نحوست اور بے برکتی نکل جاتی ہے''۔(اسلامی خطبات:1/646)

بد شگونی کا علاج: اسلام نے بدشگونی کو حرام قرار دیا ہے، اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، اور بتایا ہے کہ یہ حرکت نہ حصولِ نفع کے لیے موثر ہے اور نہ دفعِ ضرر کے لیے، بلکہ یہ شرک کا ذریعہ ہے۔قبولِ اسلام کے بعد حضرت معاویہ بن الحکمؓ نے رسول اکرم ﷺ سے کئی سوال کیے۔ان میں ایک سوال یہ تھا: وَمِنَّـا رِجَالٌ يَّتَطَيَّرُوْنَ ۔''ہم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بدشگونی لیتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ. (مسلم:باب تحريم الكلام في الصلاة... :1227)''یہ ویسے ہی اپنے دل میں وسوسہ اور وہم پاتے ہیں، یہ چیز انھیں کام سے نہ روکے''۔

جس کے دل میں بھی اس طرح کا خیال پیدا ہو، اُسے چاہیے کہ فوراً اسے جھٹک دے اور اللہ پر بھروسہ کرے۔حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ ثَلَاثًا وَمَامِنَّا اِلَّا وَلٰكِنْ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ ''بدشگونی لینا شرک ہے۔یہ بات آپ ﷺ نے تین بار دہرائی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہر شخص کے دل میں بہ تقاضاے بشریت اس طرح کا وسوسہ کبھی پیدا ہوتا ہے مگر توکل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس وسوسے کو دور فرما دیتا ہے''۔(ابوداوٗد:باب في الطيرة:3912)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے ایک موقع پر میدانِ حشر کا منظر بیان کرتے ہوے فرمایا: میرے سامنے ساری امتیں پیش کی گئیں، میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ اس پر ایمان لانے والوں کی ایک جماعت ہے، کسی کے ساتھ ایک دو افراد ہی ہیں۔بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کا کوئی متبع نہیں تھا۔اچانک میں نے ایک بڑی جماعت کو آتے ہوے دیکھا۔میں سمجھا کہ یہ میری امت ہے، مگر مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم بنی اسرائیل ہے، اس

طرف دیکھو۔ میں نے اس سے بھی بڑی جماعت کو آتے ہوئے دیکھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی قوم ہے۔ اس میں ستر ہزار افراد ایسے ہیں جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَرْقُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے، اور نہ بدفالی لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔ حضرت عکاشہؓ نے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میرا شمار ان لوگوں میں فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان ہی میں سے ہو۔ (مسلم: باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب: 549)

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ پر توکل اور کامل یقین رکھتے ہوئے اور بدفالی وغیرہ سے (جو بسا اوقات مصائب و مشکلات میں گھر جانے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے) بچ کر صرف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہنا توحید کی اصل ہے''۔ (هداية المستفيد: 2/855)

بدشگونی اور بدفالی سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے کئی دعائیں بتلائی ہیں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ مِنْ حَاجَةٍ فَقَدْ أَشْرَكَ ۔ ''جو کوئی بدشگونی کی وجہ سے کسی ضرورت سے باز رہا گویا اس نے شرک کیا''۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا پڑھنا: اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. (السلسلة الصحيحة: 1065) ''اے اللہ! تیرے شگون کے علاوہ کوئی شگون نہیں، تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں اور تیرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں''۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ لکھتے ہیں: ''یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ جو شخص بدفالی وغیرہ کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہے تو اسے کسی قسم کا نقصان ہرگز نہ ہوگا اور نہ تکلیف پہنچے گی۔ ہاں! وہ شخص جس کا بھروسہ اللہ پر خالص نہ ہو اور شیطانی وسوسوں پر عمل کرنے کا مرتکب ہو، اسے اس کی سزا ضرور ملے گی اور وہ اس مصیبت میں مبتلا ہوگا جس سے وہ ڈرتا ہے، کیوں کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے اعراض کا مرتکب ہوا ہے اور ہر قسم کی بھلائی اور خیر و

برکت صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ اپنی کمالِ مہربانی اور لطف وکرم سے مصائب ومشکلات کو دور فرماتا ہے۔ جو شخص کسی مصیبت اور مشکل میں گرفتار ہو جائے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مصیبت میرے اپنے کرتوت کا نتیجہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَـــــآ اَصَـابَكَ مِـنْ حَسَـنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۔(النساء:79)''(اے انسان!) تجھے جو بھی بھلائی حاصل ہوتی ہے اللہ کی مہربانی سے ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کرتوت کی بدولت ہے''۔(ہدایۃ المستفید :859/2)

ایک اور جگہ میں بدفالی کی مذمت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: بدفالی کسی مسلمان کو اس کے مقصد سے باز نہیں رکھ سکتی۔تم میں سے کوئی شخص ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو یہ دعا کرے:اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِيْ بِالْحَسَنٰتِ اِلَّاأَنْتَ وَلَايَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّاأَنْتَ ۔(ابوداوٗد:باب فی الطیرة :3921)''اے اللہ ! تیرے سوا کوئی بھلائی نہیں لاتا اور تیرے سوا کوئی برائی کو دور نہیں کرسکتا''۔

اسلام کی ان واضح تعلیمات کے باوجود مسلمانوں کی ایک قابلِ ذکر تعداد بدفالی کے گناہ میں مبتلا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے اسلام کی صاف ستھری تعلیمات کو عام کیا جائے اور ان کی روشنی میں مسلم معاشرے کی اصلاح کی جائے۔اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔آمین ۞۞۞

ماہ ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے ۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت ہوی۔اس لیے اس مہینے میں بعض نادان مسلمان عید میلادالنبی کے نام سے ’’جشنِ عید‘‘ مناتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے رسول اکرم ﷺ کی محبت واطاعت کا حق ادا ہوجاتا ہے۔ یہ اظہارِ محبت کا غلط طریقہ ہے۔آپ ﷺ سے محبت بھی آپ ﷺ کے بتائے ہوے طریقے کے مطابق ہونی چاہیے،اسی لیے آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر محبت میں غلو کرنے سے منع فرمایا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارىٰ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ ،فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ ۔(بخاری: باب:واذکر فی الکتاب مریم:3445)’’میرے معاملے میں اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰؑ کے بارے میں غلو کیا، میں اللہ کا بندہ ہوں ،اس لیے مجھے بس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو‘‘۔

صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر کون محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ یہ وہ صحابہ ہیں جو آپ ﷺ کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔جنگِ احد میں ایک سنگین وقت ایسا بھی آیا کہ دشمنوں نے آپ ﷺ کو پوری طرح گھیرلیا۔اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:مَنْ يَّرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ أَوْرَفِيْقِیْ فِی الْجَنَّةِ ۔’’جو شخص ان دشمنوں کو ہم سے دور کرے گا،اس کے لیے جنت کی بشارت ہے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا‘‘۔آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر سات انصاری صحابہؓ ایک ایک کرکے آگے بڑھے اور دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوے انھوں نے جامِ شہادت نوش فرمالیا۔ (مسلم:باب غزوة أحد:4742)

ان محبانِ رسول اور شیدائیانِ نبی سے بھی محبت اور عقیدت میں ذرا سی چوک اور لغزش ہوی تو آپ ﷺ نے انھیں تنبیہ کی اور ان کی اصلاح فرمائی۔ایک مرتبہ کسی صحابی نے آپ ﷺ کو ان الفاظ میں

خطاب کیا: یَامُحَمَّدُ! یَا سَیِّدَنَا وَابْنَ سَیِّدِنَا وَخَیْرَنَاوَابْنَ خَیْرِنَا ۔''اے محمد ﷺ!اے ہمارے سردار،اور ہمارے سردار کے بیٹے!اے ہم میں سب سے افضل اورسب سے افضل کے بیٹے!یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:یَااَیُّهَاالنَّاسُ عَلَیْکُمْ بِتَقْوَاکُمْ لَایَسْتَهْوِیَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ ،اَنَا مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ ، عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ ،وَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ مَنْزِلَتِی الَّتِیْ اَنْزَلَنِی اللّٰهُ ۔(السلسۃ الصحیحۃ:1097)''لوگو!تقوی کولازم پکڑو!دیکھوکہیں شیطان تمھیں میری محبت میں صحیح راستے سے نہ بھٹکادے۔میں محمد بن عبداللہ ہوں،اللہ کا بندہ اوراس کارسول ہوں۔مجھے یہ قطعاپسند نہیں کہ تم مجھےاس مقام سےاونچااٹھاؤ جس مقام پراللہ تعالیٰ نے مجھے فائز کیا ہے''۔

یہ اوراس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مومن محبت رسول ﷺ کے اظہار میں آزادنہیں، بلکہ اس میں بھی وہ شرعی حدود کا پابند ہے۔

محبتِ رسول کے تقاضے: محبتِ رسول ﷺ کادعویٰ ہرکوئی کرتاہے،مگرحقیقی محبت کوجانچنے کامعیار یہ ہے کہ محبتِ رسول ﷺ کے تقاضوں کو پورا کیاجائے۔ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کے چندتقاضےپیش کیےجارہے ہیں:

(1)۔دنیا کی ہرچیز سے بڑھ کرآپ ﷺ کی ذات سےمحبت کی جائے۔یہ فطری بات ہے کہ ہر انسان کومختلف چیزوں سے محبت ہوتی ہے،والدین سے، بھائی بہنوں سے، بیوی بچوں سے، مال ودولت سے،گھربار اورکاروباروغیرہ سے۔حقیقی مومن اورسچامحبِ رسول وہی ہے جس کے دل میں رسول کی محبت دنیا کی تمام محبتوں پر غالب ہو۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهِ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔(بخاری:باب حب الرسول ﷺ من الإیمان:15)''اللہ کی قسم!تم میں کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین،اس کی اولاداورتمام لوگوں سے بڑھ کرمحبوب نہ بن جاؤں''۔

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:ثَلَاثٌ مَّنْ کُنَّ فِیْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَاوَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَايُحِبُّهُ اِلَّالِلّٰهِ وَأَ نْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِبَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔(بخاری:باب حلاوۃ الایمان :16) ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ جمع ہوجائیں وہ ایمان کی لذت کو پالیتاہے۔ (1)اس کے دل میں اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھ کر ہو۔(2)۔وہ جس سے بھی محبت کرے اللہ ہی کے لیے کرے۔(3)۔جب اللہ نے اسے کفر سے نجات دی ہے تو پھر کفر کی طرف لوٹ جانا اتنا ہی ناپسند کرے جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا اسے ناپسند ہوتا ہے''۔

سورۂ توبہ میں انسان کی محبوب چیزوں کی ایک طویل فہرست کے ذکر کے بعد فرمایا گیا کہ مومن وہی ہے جس کے دل میں اللہ اوراس کے رسول کی محبت اوراعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ تمام چیزوں سے بڑھ کر ہو،فرمایا گیا:قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ۔ (التوبہ:24)''آپ کہہ دیجیے!اگرتمھارے باپ ،تمھارے بیٹے،تمھارے بھائی ،تمھاری بیویاں،تمھارے کنبے قبیلے اور تمھارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہواوراور وہ حویلیاں جنھیں تم پسند کرتے ہو(اگر یہ ساری چیزیں) تمھیں اللہ اوراس کے رسول سے اوراس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم (سے عذاب کے آنے) کا انتظار کرو''۔

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:''یہ ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں اوران کی اہمیت وافادیت بھی ناگزیر اور قلوبِ انسانی میں ان سب کی محبت بھی طبعی ہے(جو مذموم نہیں)لیکن اگران کی محبت اللہ اوررسول کی محبت سے زیادہ اوراللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مانع ہوجائے تو یہ بات اللہ کو سخت ناپسند اوراس کی ناراضی کا باعث ہے اور یہ وہ فسق (نافرمانی) ہے جس سے انسان اللہ کی ہدایت سے محروم ہوسکتا ہے ،جس طرح کہ آخری الفاظ تہدید سے واضح ہے''۔(احسن

البیان:514۔513)

حقیقی محبت تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرے۔جیسا کہ فرمایا گیا: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ۔(احزاب:6)''پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں''۔

یہ محبت کا سب سے اعلی درجہ ہے،جس کو پانا بہت ہی مشکل ہے۔حضرت عبداللہ بن ہشامؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے،جب کہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔حضرت عمرؓ کہنے لگے :اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے میری جان کے علاوہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:نہیں، (ابھی تمھارا ایمان مکمل نہیں ہوا)قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اس وقت تک تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ میں تمھارے نزدیک تمھاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: تو پھر اللہ کی قسم! آپؐ اب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں،تو نبی ﷺ نے فرمایا:عمرؓ اب تمھارا ایمان مکمل ہوا۔(بخاری:باب کیف کانت یمین النبی ﷺ:6632)

(2)۔محبت رسول ﷺ کا دوسرا اہم تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی لائی ہوی شریعت اور آپ ﷺ کے بتائے ہوے طریقے کے مطابق عمل کیا جائے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا۔ (النساء:65)''نہیں،اے محمدؐ تمھارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے،جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ آپ کے فیصلوں کو ہو بہو تسلیم کرلیں''۔

ایک صحابی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوے:اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ ﷺ کو اپنی جان و مال اور اہل وعیال سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں،جب میں اپنے گھر میں اپنے اہل وعیال

کے ساتھ ہوتا ہوں اور آپ ﷺ کی یاد آتی ہے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں اور دوڑا دوڑا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، جب تک آپ کو دیکھ نہیں لیتا اور آپ ﷺ سے ملاقات نہیں کر لیتا مجھے قرار نہیں آتا۔ مگر جب میں اپنی اور آپ ﷺ کی موت کو یاد کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آپ ﷺ تو جنت میں انبیاء کرامؑ کے ساتھ بلند درجات میں ہوں گے، اگر میں جنت میں گیا بھی تو آپ ﷺ کی رفاقت اور دیدار سے محروم ہی رہوں گا تو بے چین ہو جاتا ہوں۔ اس پر سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوی: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (النساء:69)۔ ''جو بھی اللہ کی اور رسول کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں''۔ (مجمع الزوائد: کتاب التفسير)

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت اور آپ سے حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی کی جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ابی قراد السلمیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ نے وضو کے لیے پانی منگوایا اور وضو کرنے لگے۔ ہم وضو کے پانی کو بطورِ تبرک اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ اس کا سبب دریافت فرمایا تو ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی بنا پر ہم ایسا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَإِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ يُّحِبَّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَأَدُّوْا إِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاصْدُقُوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ وَأَحْسِنُوْا جِوَارَ مَنْ جَارَكُمْ ۔ ''اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تم سے محبت کرے تو تمھیں چاہیے کہ امانتوں کا پاس و لحاظ رکھو، سچ بولو اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو''۔ (صحيح الترغيب والترهيب: باب الترغيب فى الحياء :2928)۔ اس حدیث میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا معیار یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کیا جائے۔

(۳)۔ آپ ﷺ کی محبت کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے دین کی نصرت و تائید اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی جائے اور آپ ﷺ کی سنتوں کی حفاظت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے: إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيراً. لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا. (الفتح:9،8)''یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اس کی مدد کرو، اس کا ادب کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرو''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں :وفد عبدالقیس رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا اور انھیں ہدایت فرمائی: اِحْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوهُ مَنْ وَرَاءَ كُمْ۔''کہ ان احکام کو اچھی طرح یاد کرلو اور واپس جا کر دوسرے لوگوں کو بھی ان سے آگاہ کرو''۔(بخاری:باب تحریض النبی ﷺ وفد عبدالقیس:87)

(4)۔آپ ﷺ سے عقیدت واحترام بھی آپ ﷺ کی محبت کا اہم تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. (الحجرات:2)''اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ہی نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمھارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو''۔

صحابہ کرامؓ کے ادب واحترام کا اندازہ اس واقعے سے لگایئے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی۔ جب سورۂ حجرات کی مذکورہ آیت نازل ہوی تو وہ اپنے گھر میں فروکش ہو گئے۔ نبی ﷺ سے ملنا بھی ترک کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے دریافت کیا تو حضرت سعدؓ نے کہا:''اے اللہ کے رسول! وہ میرے ہمسایہ ہیں اور میرے علم کے مطابق بیمار نہیں ہیں''۔ چناں چہ حضرت سعدؓ حضرت ثابتؓ کے گھر آئے اور رسول اکرم ﷺ کی گفتگو کا تذکرہ کیا۔ حضرت ثابتؓ کہنے لگے:''فلاں آیت نازل ہوی ہے اور تم جانتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ کے مقابلے میں میری آواز تم سب میں زیادہ بلند ہے، میں تو جہنمی ہو جاؤں گا۔ حضرت سعدؓ نے رسول اکرم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، وہ تو جنتی ہیں''۔(مسلم: باب مخافة المؤمن أن يحبط عمله: 329)

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر اصحابِ رسول نے آپ ﷺ سے جس تعظیم وتکریم کا مظاہرہ کیا دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ عروہ بن مسعود الثقفی جو اہلِ مکہ کی جانب سے صلح کی بات چیت کرنے کے لیے آیا تھا، اس نے اصحابِ رسول ﷺ کی تعظیم وتکریم کا جو منظر دیکھا، واپس جا کر اپنی قوم کے پاس ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''لوگو! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں اور قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھ کر آیا ہوں مگر میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی ان کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا لعاب کسی نہ کسی کے ہاتھ لگ جاتا ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ ان کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں، اور جب گفتگو کرتے ہیں تو ان کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے''۔(بخاری: باب الشروط فی الجهاد: 2732)

حضرت ابوایوب انصاری صحابی ہیں جنھیں مدینہ میں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو آپؓ ہی کے گھر قیام پذیر ہوئے۔ حضرت ابوایوبؓ کا گھر دو منزلہ تھا۔ انھوں نے آپ ﷺ کی سہولت کا خیال کرتے ہوئے نیچے کی منزل میں آپ کو ٹھہرایا، اور وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اوپر کی منزل میں رہنے لگے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد انھیں احساس ہوا کہ اس طرح تو رسول اکرم ﷺ کی بے ادبی ہو رہی ہے۔ چناں چہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگے: اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے ہوتے ہوئے میں اوپر والی منزل پر قیام نہیں کرسکتا، براہِ کرم آپ اوپر والی منزل میں تشریف لے آئیں۔ چناں چہ ان کے اصرار پر رسول ﷺ اوپر والی منزل میں منتقل ہوگئے اور حضرت ابوایوبؓ نیچے والی منزل میں آگئے''۔ (حقوق

النبی ﷺ،مولانا محمد اقبال کیلانی،ص:146)

آپ ﷺ کی رحلت کے بعد ادب واحترام کی صورت :آپ ﷺ کی وفات کے بعد ادب واحترم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث کی حفاظت کی جائے اوران کو پڑھتے اور سنتے ہوے احترام کوملحوظ رکھا جائے ۔حضرت عروہ بن زبیرؒ نے کسی مسئلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تو ایسا نہیں کرتے تھے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ برہم ہوگئے ،فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے لگتا ہے تم اس وقت تک باز نہیں آوٴ گے جب تک تمھیں اللہ عذاب میں مبتلا نہ کردے۔ ہم حدیثِ نبوی ﷺ بیان کررہے ہیں اورتم اس کے مقابلے میں ابوبکرؓ اورعمرؓ کی بات کرتے ہو‘‘۔(حقوق النبی ﷺ ص:158)

حضرت معن بن عیسیٰؒ فرماتے ہیں: حضرت مالک بن انسؒ جب حدیثِ رسول ﷺ بیان کرنے کاارادہ فرماتے تو پہلے غسل فرماتے، پھرعود کی دھونی لیتے ،خوشبو لگاتے اوراگر کوئی ان کے پاس اونچی آواز سے بات کرتا تو فرماتے:’’اپنی آواز پست کرو، اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: اے لوگو! جوایمان لائے ہو،اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو‘‘۔(سورۃ الحجرات:2)پس جس نے حدیث رسول سنتے ہوے اونچی آواز سے کوئی بات کی اس نے گویارسول اللہ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند کی‘‘۔ (سیر اعلام النبلاء:9/154)

حضرت اسحاقؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت اعمشؒ کو دیکھا کہ جب وہ حدیث بیان کرنا چاہتے اور وضو نہ ہوتا تو تیمّم کرلیتے۔ یہ بات باب الشفاء میں بیان کی گئی ہے۔(حقوق النبی ﷺ:158)

(5)۔محبت رسول ﷺ کا پانچواں تقاضا یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا نام آئے تو آپؐ پر درود بھیجا جائے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً. (الاحزاب:56) ’’’’اللہ اوراس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں،اے ایمان والو!تم (بھی)ان پر درود بھیجواور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو‘‘۔

احادیث میں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کی بڑی فضیلت آئی ہےاوراس کا بڑا اجر بتایا گیا ہے۔

1۔حضرت انسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : مَـنْ صَـلّٰـى عَـلَـيَّ صَلَاةً وَّاحِـدَةً صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ. (نسائی:بـاب الـفـضـل فـی الـصـلاة علی النبی ﷺ:1305)''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، دس گناہ معاف فرما دیتا ہے اور دس درجات بلند فرماتا ہے''۔

2۔دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قیامت میں رسول ﷺ کا تقرب نصیب ہوتا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ أَوْلَـى الـنَّـاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً. (صحیح الترغیب والترھیب:1668) ''قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہے''۔

3۔تیسرا فائدہ یہ ہے کہ قیامت میں اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت نصیب ہوتی ہے۔حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:مَـنْ صَـلّٰـى عَـلَـيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا وَحِيْنَ يُـمْسِـىْ عَشْـرًا أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔(صحیح الجامع الصغیر:6357)''جو شخص صبح اور شام مجھ پر دس دس مرتبہ درود بھیجے وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا مستحق ہوگا''۔

4۔چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمام مصائب ومشکلات کو دور فرمائے گا اور گناہوں کو بخش دے گا۔حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے، انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا:اِنِّیْ أُكْثِـرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِیْ ؟اے اللہ کے رسول! میں آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجا کرتا ہوں، بتائیے کہ میں اپنی دعا کا کتنا حصہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لیے مختص کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو۔ابیؓ نے پھر پوچھا: کیا ایک چوتھائی حصہ؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:مَـــا شِـئْــتَ فَـاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْـرٌ لَكَ ۔جتنا تم چاہو، اگر تم اس سے بھی زیادہ درود بھیجو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔پھر انھوں نے پوچھا: کیا اپنی دعا کا آدھا حصہ آپ ﷺ پر درود کے لیے مختص کرلوں؟ پھر آپ ﷺ نے وہی جواب دیا۔تو ابیؓ نے پھر پوچھا: کیا دو تہائی حصہ آپ ﷺ پر درود بھیجوں؟ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ابیؓ نے پھر سوال کیا:أَجْـعَـلُ لَكَ صَلَاتِیْ كُلَّهَا ۔کیا میں پوری دعا میں آپ ﷺ

پر درود ہی بھیجتا رہوں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: إِذًا تُـكْـفٰـى هَـمُّكَ وَيُـغْـفَـرُلَكَ ذَنْبُكَ ۔"تب تو تمھاری ساری پریشانیاں دور ہوجائیں گی اور تمھارے گناہ بخش دیے جائیں گے"۔(ترمذی:باب قول النبی ﷺ:أیھاالناس اذکروالله:2645)

5۔پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا۔آپ ﷺ کے پاس حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بیٹھے ہوے تھے۔جب میں دعا کے لیے بیٹھا تو سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر اللہ کے رسول ﷺ پر درود بھیجا،اس کے بعد اپنے لیے دعا کی۔آپ ﷺ نے میرا یہ طرزِ عمل دیکھ کر فرمایا: سَلْ تُعْطَ ،سَلْ تُعْطَ ۔ "اسی طرح مانگو تمھیں عطا کیا جائے گا،اسی طرح مانگو تمھیں عطا کیا جائے گا۔(ترمذی:باب ماذکرفی الثناء علی الله:596)

جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ پر درود نہیں بھیجتے ان کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: رَغِـمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ۔(ترمذی:باب قول رسول الله ﷺ رغم أنف رجل:3890)"وہ شخص رسوا ہوجائے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"۔

محبتِ رسول کے یہ چند تقاضے ہیں،آپ ﷺ سے حقیقی محبت یہی ہے کہ ان تقاضوں کو پورا کیا جائے اور انھیں عملی زندگی کا حصہ بنالیا جائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں محبت رسول کے ان تقاضوں کو سمجھنے اور انھیں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ✦✦✦

ماہِ شعبان اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ ہے۔ احادیث میں اس مہینے کی فضیلت آئی ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کثرت سے نفل روزے رکھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ شَهْرٍ أَكْثَرَصِيَامًا مِّنْهُ فِيْ شَعْبَانَ كَانَ يَصُوْمُهُ اِلَّاقَلِيْلًا،بَلْ كَانَ يَصُوْمُهُ كُلَّهُ ۔(ترمذی:باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان)''میں نے رسول اکرم ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے میں نفل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ اس میں روزے رکھتے تھے سوائے چند ایام کے، بلکہ آپ ﷺ پورا مہینہ ہی روزہ رکھتے تھے''۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے:مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ ۔(ترمذی:باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان: 741)''میں نے رسول اکرم ﷺ کو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے شعبان اور رمضان کے''۔

عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزہ نہیں رکھنا چاہیے، لیکن یہ بات صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنے کی حکمت: حضرت اسامہ بن زیدؓ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا:لَمْ أَرَكَ تَصُوْمُ مِنْ شَهْرٍمِّنَ الشُّهُوْرِمَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ ۔ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا بات ہے کہ آپ ﷺ دیگر مہینوں کے مقابلے میں شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزہ رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اس کی وجہ یہ بتائی:ذَاكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ اِلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَأُحِبُّ أَنْ يُّرْفَعَ عَمَلِيْ وَأَنَاصَائِمٌ ۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترغیب فی صوم شعبان... :1022)''یہ وہ مہینہ ہے جس (میں نیکیاں کرنے) سے لوگ عام طور پر غفلت برتتے ہیں، حالانکہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں بندوں کے اعمال اللہ کے

دربار میں پیش کیے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال دربارِالٰہی میں پیش ہوں تو میں روزے سے رہوں''۔

پندرھویں رات کی فضیلت: احادیث میں جن راتوں کی فضیلت آئی ہے، ان میں ایک شعبان کی پندرہویں رات بھی ہے۔ اس رات کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ اِلىٰ خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خِلْقِهِ اِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: 1144) ''اللہ تعالیٰ اس رات کو اپنے بندوں کا جائزہ لیتا ہے، اپنے تمام بندوں کو بخش دیتا ہے، سوائے مشرک اور اس شخص کے جس کے دل میں اپنے بھائی کے خلاف کینہ کپٹ ہو''۔

ایک دوسری حدیث ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَطَّلِعُ عَلىٰ عِبَادِهِ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيُمْلِيْ لِلْكَافِرِيْنَ وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰى يَدَعُوْهُ۔ (صحیح الترغیب والترھیب: 2771) ''اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو اپنے بندوں کا جائزہ لیتا ہے، پھر ان میں سے مومنوں کو معاف فرما دیتا ہے، کافروں کو مہلت دیتا ہے اور کینہ پرور لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے دلوں کو کینہ سے پاک کرلیں''۔

پندرھویں رات کو کیا کیا جائے ؟: ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے:

1۔ اس رات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بخشش خاص طور پر فرماتا ہے۔

2۔ اس خصوصی بخشش کا مستحق ہر وہ شخص ہوگا جو شرک سے اور اس کی آلودگیوں سے محفوظ ہو اور اس کے دل میں اپنے مومن بھائی کے لیے نفرت اور دشمنی نہ ہو۔

3۔ اس بخشش کا مستحق بننے کے لیے کسی صحیح حدیث میں اس رات کا کوئی خاص عمل نہیں بتایا گیا ہے۔

4۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس رات کو کسی خاص عمل کا اہتمام نہیں کیا کرتے تھے۔

حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں: قِيَامُ لَيْلَةِ النِّصْفِ لَمْ يَثْبُتْ فِيْهِ شَيْءٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا عَنْ

أَصْحَابِهٖ۔ (لطائف المعارف) ''شعبان کی پندرہویں رات کے قیام کی فضیلت میں نہ تو نبی کریم ﷺ سے کچھ ثابت ہے اور نہ صحابہ کرامؓ سے''۔

ضعیف اور موضوع روایات: اس رات کی فضیلت کے بارے میں بہت سی ضعیف اور موضوع روایتیں لوگوں میں مشہور ہیں۔جن میں سے چند یہ ہیں:

1۔ایک طویل حدیث ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ ۔(ابن ماجہ:ضعفہ الألبانی:1389) ''اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے، پھر اتنے لوگوں کی مغفرت کرتا ہے جتنے بنوکلب کی بکریوں کے بال ہیں''۔

2۔حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو تم اس میں قیام کیا کرو اور اگلے دن کا روزہ رکھا کرو، کیوں کہ اس رات غروبِ شمس ہی سے اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آکر یہ منادی کرتا ہے: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں؟ کیا کوئی رزق کا طالب ہے کہ میں اسے رزق عطا کروں؟ کیا کوئی بیمار ہے کہ میں اسے صحت دوں؟ کیا کوئی سوال کرنے والا ہے کہ میں اسے نواز دوں؟ کیا کوئی...کیا کوئی... یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجائے''۔(ضعیف الجامع للألبانی:656)

3۔حضرت علیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی پندرہویں رات میں چودہ رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد کچھ سورتوں کی تلاوت کی، پھر فرمایا: جو شخص اس طرح کرے جیسا کہ میں نے کیا ہے تو اسے بیس مقبول حج اور بیس سال کے مقبول روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ (الموضوعات لابن الجوزی:2/445)

4۔ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: جو شخص اس رات میں سو رکعتیں اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص دس بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری کر دیتا ہے، اگر وہ لوحِ محفوظ میں بدبخت لکھا گیا ہو تو اسے مٹا کر اللہ تعالیٰ اسے

خوش نصیب لکھ دیتا ہے۔.....اوراس کے آئندہ ایک سال کے گناہ نہیں لکھے جاتے۔(حوالہ سابق)

غیر مسنون اعمال: ان ضعیف اور موضوع روایات کی وجہ سے امت میں اس رات کے بارے میں بہت سے گم راہ کن نظریات پائے جاتے ہیں۔

اس رات مخصوص طریقے پر نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اجتماعی عبادتیں کی جاتی ہیں، شب بیداری کا اسی طرح اہتمام کیا جاتا ہے جس طرح شبِ قدر میں کیا جاتا ہے، بلکہ عوام کے نزدیک اس رات کی اہمیت شبِ قدر سے کچھ زیادہ ہی ہے، توبہ واستغفار کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے، اسی لیے اس رات کو شبِ براءت بھی کہا جاتا ہے۔اس کی صبح روزہ بھی رکھا جاتا ہے۔مسجدوں کو سجایا جاتا ہے۔گھر چراغاں کیے جاتے ہیں اور آتش بازی بھی کی جاتی ہے۔ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں: ''یہ بدعت پہلی مرتبہ 448ھ میں بیت المقدس میں ایجاد کی گئی، جب بعض آگ کے پجاری اسلام میں داخل ہوے۔وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تو اپنے سامنے آگ جلالیا کرتے تھے، یوں وہ مسلمانوں کو بھی راضی کر لیتے تھے اوراپنے توہمات اور باطل عقائد پر بھی عمل کر لیتے تھے، اوران ہی لوگوں نے ''صلاۃ الالفیہ'' ایجاد کی۔ چناں چہ جب شعبان کی پندرہویں رات آتی تو وہ یہ نماز پڑھتے اوراپنے سامنے آگ جلا لیتے تھے۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا کہ رات کو زیادہ دیر تک وہ آگ کے سامنے تعظیماً کھڑے رہیں۔اس کے علاوہ وہ لوگ اس آگ کی آڑ میں بہت سی برائیوں کا ارتکاب بھی کرتے تھے''۔(تحفۃ الاحوذی 3/163)

قبروں کی زیارت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔بعض لوگ شبِ براءت کو مُردوں کی عید بھی کہتے ہیں۔ان کا خیال بلکہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص شبِ براءت سے پہلے مر جائے تو جب تک اس رات حلوہ پوری اور مٹھائی وغیرہ پر اس کی فاتحہ نہ کی جائے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا اور نہ اس کے کنبے میں پہلا تہوار منایا جاتا ہے، اور نہ کوئی شادی بیاہ کی تقریب منائی جاتی ہے۔یہ اوراس طرح کی بہت سی ہندوانہ رسمیں اسلام کے نام پر کی جاتی ہیں، اور خلافِ شرع بہت سے اعمال انجام دیے جاتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے اس رات عبادات اور طلبِ مغفرت کا وہ اہتمام نہیں کیا جو اہتمام آج کل پایا جاتا ہے۔صحیح احادیث میں اس رات کی جو فضیلت آئی ہے،اس کا ذکر گزر چکا ہے۔اسی طرح کی فضیلت صحیح احادیث میں پیر اور جمعرات کی بھی بتائی گئی ہے۔جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيَقُولُ أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ (مسلم: باب النهي عن الشحناء والتهاجر: 6709) ''ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔پھر ہر اس آدمی کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو،سوائے اس آدمی کے جو اپنے بھائی سے بغض اور دشمنی رکھتا ہو۔چناں چہ ان دونوں کے بارے میں تین مرتبہ کہا جاتا ہے: ان کو مہلت دو یہاں تک کہ یہ صلح کر لیں''۔یعنی ان دودنوں میں بندوں کی اسی طرح مغفرت کی جاتی ہے،جس طرح شعبان کی پندرہویں رات کو کی جاتی ہے۔

مگر ان ایام میں طلبِ بخشش و مغفرت اور عبادات کا وہ اہتمام نہیں کیا جاتا جو پندرہویں شعبان کو خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے،حالانکہ دونوں کے لیے ایک ہی بات بتائی گئی ہے مگر ایک جگہ شب بیداری اور دوسری جگہ مسنون عمل کا اہتمام تک نہیں، جب کہ صحیح حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ رسول اکرم ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے،محض اس وجہ سے کہ ان ایام میں بندوں کے اعمال اللہ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔(مسلم: باب النهي عن الشحناء والتهاجر: 6712)

استقبالِ رمضان کا مہینہ: اسلافِ کرامؒ اس مہینے میں عبادت کا خوب اہتمام کرتے، اور رمضان کی تیاری فرماتے تھے۔حضرت سلمہ بن کہیلؒ فرماتے ہیں: شَهْرُ شَعْبَانَ شَهْرُ الْقُرَّاءِ ۔ ''شعبان کا مہینہ قرآن کی تلاوت کا مہینہ ہے''۔

حضرت عمرو بن قیسؒ کے بارے میں آتا ہے: ''جب شعبان کا مہینہ شروع ہوجاتا تو وہ اپنا کاروبار بند کر دیتے اور قرآن کی تلاوت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لیتے''۔

اسی لیے اس مہینے کو استقبالِ رمضان کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے کہ جو کام

جتنا زیادہ اہم ہوتا ہے اس کی تیاری اتنی ہی پہلے شروع کردی جاتی ہے۔اگر کسی کو کوئی نیا گھر بنانا ہوتو اس کی تیاری وہ مہینوں پہلے شروع کردیتا ہے۔اگر گھر میں کوئی معزز مہمان آنے والے ہوں تو ان کے استقبال کے لیے ہفتوں تیاری کی جاتی ہے۔یہ صرف انسانوں کا حال نہیں بلکہ فطرت کا قانون بھی ہے۔بارش کا نزول اچانک نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، پھر بادل امنڈ آتے ہیں،اس کے بعد بارش کا نزول ہوتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ الَّذِیُ یُرُسِلُ الرِّیحَ فَتُثِیرُ سَحَابًا فَیَبُسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیُفَ یَشَآءُ وَیَجُعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الُوَدُقَ یَخُرُجُ مِنُ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنُ یَّشَآءُ مِنُ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمُ یَسُتَبُشِرُوُن ۔(الروم:48)''اللہ ہی ہے جو ہوائیں چلاتا ہے،وہ ابر کو اٹھاتی ہیں، پھر اللہ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور انھیں ٹکڑیوں میں تقسیم کردیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس بادل سے قطرے ٹپکے چلے آتے ہیں ،اور جنھیں اللہ چاہتا ہے ان پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہوجاتے ہیں''۔

رمضان کا معاملہ بھی ٹھیک اسی طرح ہے۔اسلافِ کرامؒ اس مہینے کی تیاری بہت پہلے شروع کردیتے تھے۔ابوبکر البلخیؒ فرماتے ہیں:شَهُرُ رَجَبَ شَهُرُ الزَّرُعِ وَشَهُرُ شَعُبَانَ شَهُرُ سَقُیِ الزَّرُعِ وَشَهُرُ رَمَضَانَ شَهُرُ حَصَادِ الزَّرُعِ ۔وَمَنُ لَمُ یَزُرَعُ وَیَغُرِسُ فِیُ رَجَبَ وَلَمُ یَسُقِ فِیُ شَعُبَانَ فَکَیُفَ یُرِیُدُ أَنُ یَّحُصُدَ فِیُ رَمَضَانَ ۔رجب کا مہینہ زمین میں اناج بونے کا مہینہ ہے،شعبان کا مہینہ سیرابی کا ہے اور رمضان فصل کاٹنے کا مہینہ ہے۔جو غلہ نہ بوئے اور اس کو سیراب نہ کرے تو وہ کیسے فصل کاٹے گا''۔

ان کا ایک اور قول ہے:مَثَلُ شَهُرِ رَجَبَ کَالرِّیُحِ وَمَثَلُ شَعُبَانَ مَثَلُ الُغَیُمِ وَمَثَلُ رَمَضَانَ مَثَلُ الُمَطَرِ۔''رجب کی مثال بارش سے قبل چلنے والی ہواؤں کی سی ہے۔شعبان کی مثال بادلوں کی سی ہے اور رمضان کی مثال بارش کی سی ہے''۔

اسلافِ کرامؒ چھے ماہ پہلے سے رمضان کی تیاری کرتے تھے۔اور وہ یہ دعا کیا کرتے تھے:اَللّٰهُمَّ بَارِکُ لَنَا فِیُ رَجَبَ وَشَعُبَانَ وَبَلِّغُنَا فِیُ رَمَضَانَ ۔''اے اللہ!ہمارے لیے رجب اور شعبان کے

مہینے میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کا مہینہ نصیب فرما''۔

ہمیں چاہیے کہ اس مہینے کی قدر کریں ،اوراس میں وہی اعمال انجام دیں جن کے کرنے کا قرآن وحدیث میں ثبوت ملتا ہے اوران تمام کاموں سے اجتناب کریں ،جن کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔اللہ ہمیں کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

ماہِ رمضان کی خصوصیات

ماہِ رمضان بڑا ہی مقدس اور بابرکت مہینہ ہے۔ دیگر مہینوں کے مقابلے میں اس مہینے کی بہت سی خصوصیات ہیں، جن میں سے چند یہاں پیش کی جارہی ہیں:

پہلی خصوصیت : اللہ تعالیٰ نے جب اس دنیا میں انسانوں کو بسایا تو ان کی ہدایت ورہ نمائی کے لیے جہاں انبیاے کرام کو مبعوث کیا، وہیں آسمان سے کتابوں کا نزول بھی فرمایا۔ ان میں سے اکثر کتابیں اسی مبارک مہینے میں نازل ہویں۔ حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے مرفوعا روایت ہے: أُنـزِلَـتْ صُـحُفُ إِبْـرَاهِيْـمَ أَوَّلَ لَيْـلَةٍ مِّـنْ رَمَـضَـانَ وَأُنْـزِلَتِ التَّوْرَاةُ لِسِتٍّ مَّضَيْنَ مِنْ رَمَضَانَ وَأُنْزِلَ الْإِنْجِيلُ لِثَلَاثَ عَشَـرَةَ لَيْـلَةً خَـلَتْ مِنْ رَمَضَانَ وَأُنْزِلَ الزَّبُوْرُ لِثَمَانِ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ وَأُنْزِلَ الْـقُرْآنُ لِأَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ ۔(السلسلة الصحيحة :1575)''صحف ابراہیم یکم رمضان کو، توریت چھے رمضان کو، انجیل تیرہ رمضان کو، زبور اٹھارہ رمضان کو اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل ہوا''۔

قرآن مجید میں رمضان المبارک کا تعارف نزولِ قرآن کے مہینے کی حیثیت ہی سے کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: شَهْـرُ رَمَـضَـانَ الَّـذِيَ أُنْـزِلَ فِيْـهِ الْـقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْـفُـرْقَانِ. (البقرہ:185)''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کی ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں''۔

دوسری خصوصیت : یہ اللہ سے تقرب حاصل کرنے اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں انسان کو اللہ سے قریب کرنے کے سارے انتظامات کر دیے جاتے ہیں، شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : إِذَا كَـانَـتْ أَوَّلُ لَيْـلَةٍ مِّـنْ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ ،

وَغُـلِّـقَتْ أَبْوَابُ النَّارِفَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَنَادىٰ مُـنَـادٍ يَـا بَـاغِـيَ الْـخَيْـرِ أَقْبِـلْ وَيَـا بَـاغِـيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ. (ابن ماجہ:بـاب مـاجـاء فی فضل شهــر رمـضـان :1711)''جب رمضان کی پہلی رات شروع ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے،جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں ، ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں،ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں کیا جاتا،اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ یہ منادی کرتا ہے کہ نیکیوں کو چاہنے والو! آگے بڑھو، برائیوں کا ارادہ کرنے والو باز آجاؤ''۔

ایک دوسری روایت میں:فُتِّـحَـتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ (بخاری:بـاب هـل يـقال رمضان أو شهر رمضان: 1899)کے الفاظ آئے ہیں،یعنی آسمان کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ۔**ایک اور روایت میں** فُتِّـحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ.(مسلم:بـاب فضل شهر رمضان :2548)کے الفاظ وارد ہیں،یعنی'' رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں''۔غرض نیکیوں میں آگے بڑھنے کا پورا انتظام کر دیا جاتا ہے۔

جوشخص اس بابرکت مہینے کو پاکر اس سے استفادہ نہ کرے،یقیناًوہ بڑا ہی بدنصیب ہے، بلکہ ایسے شخص کے لیے فرشتوں کے سردار حضرت جبریلؑ نے بددعا کی اوراس پر نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ نے آمین فرمایا۔حضرت مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ منبر پر چڑھے اور منبر کی ہر سیڑھی پر چڑھتے ہوے آپ ﷺ نے آمین کہا، پھر(بعد میں) آپ ﷺ نے فرمایا:میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے اور انھوں نے کہا: اے محمد ﷺ!جوشخص رمضان کو پالے،اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش نہ کروالے،اس پر اللہ کی لعنت ہو،تو میں نے آمین کہا...''۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترغیب فی صیام رمضان احتسابا.....:2491)

<u>تیسری خصوصیت</u>: یہ جہنم سے آزادی کا مہینہ ہے،اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں جہنم سے آزادی کا فیصلہ کرتا ہے۔حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:اِنَّ لِـلّٰـهِ تَـعَالىٰ

عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ عُتَقَاءَ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ فِیْ كُلِّ لَيْلَةٍ ۔(ترمذی:باب ماجاء فی فضل شهر رمضان :684)''بے شک اللہ تعالیٰ ہر افطار کے وقت بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے ،اورایسا ہر رات کرتا ہے''۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:اِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عُتَقَاءَ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ يَعْنِیْ فِیْ رَمَضَانَ وَاِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً ۔(صحیح الترغیب والترهیب:1002)''بے شک اللہ تعالیٰ (رمضان المبارک میں) ہر دن اور ہر رات بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور ہر دن اور ہر رات مسلمان کی ایک دعا قبول کی جاتی ہے''۔

چوتھی خصوصیت: اس مہینے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قدر ومنزلت والی رات رکھی ہے جس کی فضیلت میں ''سورۃ القدر'' کے نام سے ایک پوری سورت نازل کی گئی ،اوراس ایک رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا۔چناں چہ ارشاد ہے: لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ (القدر:3)''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:اِنَّ هٰذَاالشَّهْرَ قَدْحَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ،مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْحُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَايُحْرَمُ خَيْرَهَااِلَّامَحْرُوْمٌ ۔(ابن ماجہ:باب ماجاء فی فضل شهررمضان :1713)''بے شک یہ (رمضان کا) مہینہ تم پر سایہ فگن ہو چکا ہے ،اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور جو شخص اس سے محروم ہوا گویا وہ مکمل خیر سے محروم ہوا،اوراس رات کے خیر سے تو وہی محروم ہوسکتا ہے جس کے حق میں محرومی مقدر کر دی گئی ہو''۔

پانچویں خصوصیت: اس مہینے کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عمرہ کا ثواب حج کرنے کے برابر ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ام سنان نامی ایک انصاری

خاتون سے پوچھا کہ تم نے ہمارے ساتھ حج کیوں نہیں کیا؟ انھوں نے سواری نہ ہونے کا عذر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَاِنَّ عُمْرَةً فِیْ رَمَضَانَ تَقْضِیْ حَجَّةً مَعِیْ۔ (مسلم: باب فضل العمرة فی رمضان: 3098) ''رمضان کے مہینے میں عمرہ کرنے کا ثواب میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے''۔

ماہ رمضان کی عبادتوں کی خصوصیات : اس مہینے کی بہت سی عبادتیں ہیں۔ مثلاً روزہ، قیام اللیل اور تراویح، قرآن مجید کی تلاوت، ذکر واذکار، نوافل کا اہتمام، اور صدقہ وخیرات وغیرہ۔

دیگر مہینوں کے مقابلے میں اس مہینے کی عبادتوں کی بھی بہت سی خصوصیات ہیں:

1۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس مہینے کی عبادتوں کا اہتمام کرنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ روزے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (بخاری: باب صوم رمضان احتسابا من الإیمان: 38) ''جو شخص بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے روزہ رکھے، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں''۔

تراویح اور قیام الیل کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (بخاری: باب تطوع قیام رمضان من الإیمان: 37) ''جو شخص بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام کیا، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں''۔

اور لیلۃ القدر کی عبادتوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (بخاری: باب فضل لیلة القدر: 2014) ''جو شخص بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے شبِ قدر میں عبادتوں کا اہتمام کیا، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں''۔

ان اہم عبادتوں کے علاوہ اس ماہ میں کی جانے والی ہر نیکی اور عبادت بھی گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُکَفِّرَاتٌ مَا بَیْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ

الْكَبَائِرُ۔(مسلم:باب الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة... :574)''پنج وقتہ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک ادا کی جانے والی عبادتیں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے''۔

2۔دوسری خصوصیت یہ ہے کہ رمضان کی عبادتیں قیامت کے دن اللہ کے دربار میں بندے کے حق میں سفارش کریں گی۔روزہ اور قرآن مجید کی تلاوت رمضان کی دو اہم عبادتیں ہیں۔ان دونوں کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اَلْقُرْآنُ وَالصِّيَامُ يُشَفِّعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،يَقُوْلُ الصِّيَامُ :أَىْ رَبِّ اِمَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَةَ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ ،وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ :أَىْ رَبِّ اِمَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ،فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ۔فَيُشَفَّعَانِ ۔(صحيح الترغيب والترهيب :984)''قرآن اور روزہ بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے۔روزہ کہے گا:اے میرے رب!میں نے تیرے اس بندے کو کھانے پینے سے روکے رکھا،اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔قرآن کہے گا:اے میرے رب!میں نے اس کو سونے سے روکے رکھا،تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ان دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی''۔

۳۔تیسری خصوصیت یہ ہے کہ رمضان کی عبادتوں کی وجہ سے بندہ جنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے،رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ. (بخاری: باب و كان عرشه على الماء :7423)''جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو،نماز قائم کرتا ہو اور رمضان کے روزے رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے''۔

ایسے شخص کو پورے اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا۔جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ ۔''جنت میں ایک دروازے کا نام'الریان' ہے جس سے روزے دار داخل ہوں گے،ان کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوگا۔اس دن یہ اعلان کیا جائے گا: روزے دار کہاں ہیں؟ یہ اعلان سن کر روزے دار کھڑے ہوں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔جب سارے روزے دار داخل ہو جائیں گے،تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔روزے داروں

کے علاوہ کسی اور کو اس دروازے سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی‘‘۔(بخاری:باب الریان للصائمین:1896)

4۔چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ مومن بندہ رمضان کی عبادتوں کی پابندی کر کے شہدا اور صدیقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔جیسا کہ حضرت عمرو بن مرہ الجہنیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:أَرَأَيْتَ اِنْ شَهِدْتُ أَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَصَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَأَدَّيْتُ الزَّكَاةَ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَقُمْتُ فَمِمَّنْ أَنَا؟ اے اللہ کے رسول ﷺ!اگر میں شہادتین کا اقرار کروں ،پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کروں ،اپنے مال کی زکوۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور راتوں میں قیام کروں تو بتایئے قیامت کے دن میرا شمار کن لوگوں میں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:مِنَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔کہ تیرا شمار صدیقین اور شہداء میں ہوگا‘‘۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترغیب فی صیام رمضان احتسابا وقیام لیلہ:749)

ایسا شخص بسا اوقات شہید سے بھی بلند مقام حاصل کر لیتا ہے۔اللہ کی راہ میں شہادت حاصل کرنا یقیناً بہت بڑا اعزاز ہے۔خود رسول اکرم ﷺ نے اس کی تمنا ظاہر کی اور فرمایا:لَوَدِدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ ۔(بخاری:باب الجھاد من الایمان :36)’’میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کر دیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کر دیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں‘‘۔

مومن رمضان کی عبادتوں کی پابندی کر کے شہید سے بھی اونچا مقام حاصل کر سکتا ہے۔حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں :’’ایک دیہات کے دو آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوے۔دونوں میں سے ایک بڑا عبادت گزار تھا۔وہ ایک مرتبہ جہاد میں شریک ہوا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ دوسرا اس کی شہادت کے ایک سال بعد فوت ہوا ۔طلحہ بن عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے کے پاس کھڑا ہوا ہوں اور وہ دونوں بھی وہاں موجود ہیں۔ جنت کے اندر سے ایک فرشتہ آیا اور ان میں سے جس کا انتقال

آخر میں ہوا تھا اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ پھر کچھ دیر کے بعد آیا اور شہید کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ تیسری مرتبہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا: اِرْجِعْ فَاِنَّكَ لَمْ يَأْنِ لَكَ بَعْدُ ۔ لوٹ جاؤ، ابھی تمھارے جنت میں داخل ہونے کا وقت نہیں ہوا ہے۔ صبح ہوی تو حضرت طلحہؓ نے اپنے ساتھیوں سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایک شخص اللہ کی راہ میں شہید ہوا مگر اس کو بعد میں جنت میں داخل کیا گیا اور ایک شخص فطری موت مرا اس کو پہلے جنت میں داخل کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تمھیں کس بات پر تعجب ہو رہا ہے ؟ صحابہؓ نے کہا کہ شہید کو بعد میں جنت میں داخل کیا گیا اور جو شہید نہیں ہوا اور ایک سال کے بعد وفات پایا اس کو پہلے جنت میں داخل کیا گیا! آپ ﷺ نے فرمایا: أَلَيْسَ قَدْ مَكَثَ هٰذَا بَعْدَهُ سَنَةً قَالُوْا بَلٰى قَالَ: أَدْرَكَ رَمَضَانَ وَصَامَ وَصَلّٰى كَذَا وَكَذَا مِنْ سَجْدَةٍ فِى السَّنَةِ ۔ ''کیا وہ شہید کے بعد ایک سال زندہ نہیں رہا؟ لوگوں نے کہا: ہاں، زندہ رہا۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا اس کی زندگی میں رمضان کا مہینہ نہیں آیا، اور اس میں روزے نہیں رکھے اور سال بھر نمازیں نہیں پڑھیں ؟ صحابہؓ نے جواب دیا: ہاں! اس نے یہ سارے کام انجام دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنی عبادتوں کی وجہ سے شہید سے بھی اونچے مقام کا مستحق بنا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: فَمَا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۔ ''جنت میں ان دونوں کے درجات میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے''۔ (ابن ماجہ: باب تعبیر الرئویا: **4059**)

رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس ماہ کی عبادتوں میں بہت زیادہ محنت فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَايَكُوْنُ فِىْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ ۔ (بخاری: باب مدارسة الوحى القرآن مع النبى ﷺ: **6**) ''رسول اکرم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان میں آپ کی سخاوت اس وقت بڑھ جاتی جب حضرت جبریلؑ سے آپ کی ملاقات ہوتی''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِى الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِىْ

غَیُرِہٖ۔(مسلم:باب الاجتہادفی العشرالأواخرمن شہررمضان :28414)''دیگرایام کے مقابلے میں رمضان کے آخری عشرے میں عبادتوں میں آپ ﷺخوب محنت کیا کرتے تھے''۔

رسول اللہ کا قیام کس قدر طویل ہوتا تھااس کا اندازہ اس روایت سے کیا جاسکتا ہے:

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی کریم ﷺکے ساتھ نماز پڑھی۔آپ ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کردی۔میں سمجھا کہ سوآیات کے بعد آپ ﷺرکوع کریں گے مگراس کے بعد بھی آپ ﷺکی تلاوت جاری رہی۔میں نے خیال کیا کہ یہ سورت پوری نماز(دورکعتوں)میں ختم فرمائیں گے،لیکن آپ ﷺنے تلاوت جاری رکھی۔پھر میں نے خیال کیا کہ سورۂ بقرہ ختم کرکے رکوع کریں گے مگر آپ ﷺنے سورۂ بقرہ کے بعد سورۂ نساء کی تلاوت شروع کردی پھراس کے بعد سورۂ آل عمران ،(یعنی ایک رکعت میں آپ ﷺ نے سواپانچ پارے پڑھے)۔آپ ﷺکے پڑھنے کا جوانداز تھااس کے بارے میں حذیفہؓ فرماتے ہیں:کَانَ یَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، اِذَا مَرَّ بِآیَۃٍ فِیُھَا تَسُبِیحٌ سَبَّحَ وَاِذَا مَرَّبِسُؤَالٍ سَأَلَ وَاِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ. ''آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کرتلاوت کرتے۔جب کسی ایسی آیت پر سے گزرتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو(وہاں رک کر)اللہ کی تسبیح بیان کرتے،اور جب کسی دعائیہ آیت پر سے آپ کا گزرہوتا تو اللہ سے دعا مانگتے اور جب کسی پناہ مانگنے والی آیت پر سے گزرتے تو پناہ طلب کرتے''۔پھرآپ ﷺ نے رکوع کیا۔حضرت حذیفہؓ آپ ﷺکے رکوع کے بارے میں فرماتے ہیں:فَکَانَ رُکُوعُہُ نَحُوًا مِّنُ قِیَامِہٖ ۔آپ ﷺکارکوع بھی قیام کے برابر تھا۔رکوع کے بعد قیام اور پھر سجدوں کا بھی یہی حال تھا۔(مسلم: باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل:1850)

صحابہؓ کی عبادتوں کا بھی تقریباً یہی حال تھا۔رسول اکرم ﷺنے اپنی پوری زندگی میں صرف تین مرتبہ تہجد(تراویح) کی نماز باجماعت ادا کی۔آپ ﷺکامعمول نفل نماز گھر میں پڑھنے کا تھا۔حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺرمضان کے آخری عشرے کی ایک رات مسجد تشریف لے گئے۔نماز پڑھنے لگے تو لوگ بھی آپ ﷺکے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے۔صبح جب لوگوں کو معلوم

ہواتو دوسری رات تعداد میں اضافہ ہوا۔تیسری رات اوراضافہ ہوا۔آپ ﷺنصف رات کے بعدگھر سے نکلے (صحابہؓ کاشوق دیکھیے کہ سب کے سب انتظارکررہے تھے) آپ ﷺ نے اس رات اس قدرطویل نماز پڑھائی کہ راوی کہتے ہیں:قَامَ بِنَاحَتّٰی خَشِیْنَا أَنْ یَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ ۔’’ہمیں گمان ہونے لگا کہ کہیں ہماری سحری نہ چھوٹ جائے‘‘۔اس قدرطویل قیام کے باوجود چوتھی رات تعداد میں اوراضافہ ہوا۔راوی کہتے ہیں:عَجَزَالْمَسْجِدُ عَنْ أَھْلِہٖ ،مسجد میں پیر رکھنے کے لیے جگہ نہیں تھی۔اس رات آپ ﷺ گھر سے نہیں نکلے۔شوقِ عبادت میں بعض صحابہ آپ ﷺ کے گھر کے پاس جاکرآواز دینے لگے:نماز،نماز،مگرآپ ﷺ گھر سے نہیں نکلے۔پوری رات صحابہؓ نے انتظار میں گزاردی۔صبح فجر کی نماز کے بعدآپ ﷺ نے فرمایا:’’رات تمھارے حال سے میں بے خبرنہیں تھا۔مجھےتو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نمازتم پرفرض نہ کردی جائے اورتم اس کوادا کرنے سے عاجز آجاؤ‘‘۔(مسلم : باب الترغیب فی قیام رمضان وھوالتراویح:1820،ابوداؤد:باب فی قیام شھررمضان)

اس واقعے کی روشنی میں ہمیں رمضان میں اپنی عبادتوں کا جائزہ لیناچاہیے۔

اسلافِ کرامؒ بھی اس مہینہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھےاوراس میں خوب عبادتیں کیا کرتے تھے۔امام زہریؒ فرماتے ہیں:شَھْرُ رَمَضَانَ شَھْرُ قِرَاءَ ۃِ الْقُرْآنِ وَاِطْعَامِ الطَّعَامِ۔’’رمضان تلاوتِ قرآن اورغریبوں کوکھلانے کامہینہ ہے‘‘۔

امام مالکؒ کے بارے میں آتاہے کہ وہ درس وتدریس اورفتوی دینے کی مصروفیتوں سے رک جاتے اور پوراوقت تلاوت اورعبادات میں صرف کرتے۔

امام احمد بن حنبلؒ ہفتے میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرتے تھےمگررمضان میں ہفتے میں دومرتبہ ختم کیاکرتے تھے۔

بعض اسلاف کے بارے میں آتاہے کہ وہ رمضان کے لیے چھ ماہ پہلے ہی سے دعا کیا کرتے تھے۔پھررمضان میں خوب عبادتیں کرتے اور بقیہ پانچ ماہ اعمالِ رمضان کی قبولیت کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہوئے گزارتے۔

بعض اسلاف سے یہ دعا مروی ہے:اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا اِلٰی رَمَضَانَ۔(خطب ومحاضرات للشيخ سعيدبن مسفر)''اے اللہ! تو ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے مہینہ میں پہنچا دے''۔

رمضان کا مہینہ آخرت کا توشہ تیار کرنے کا مہینہ ہے۔ یہ اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر لینے کا مہینہ ہے۔ اس لیے ہمیں اپنا وقت نوافل، تلاوت قرآن، ذکر واذکار، توبہ واستغفار اور ان جیسی دیگر عبادات اور نیک کاموں میں زیادہ سے زیادہ گزارنا چاہیے۔عموماً ہم سال بھر غفلت میں گزار دیتے ہیں مگر ہماری غفلت رمضان میں بھی باقی رہتی ہے۔ رمضان کے مہینے کو وقت گزاری کا مہینہ بنالیا جاتا ہے۔نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ رمضان کو کھیل کود میں گزار دیتا ہے۔ٹی وی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائیل فون نے اس سلسلے میں بہت سی راہیں پیدا کر رکھی ہیں۔ بڑوں کے پاس گپ شپ کا مشغلہ ہوتا ہے اور خواتین کے پاس باورچی کھانے کی مصروفیتیں ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ روزے کے ذریعے ہماری تربیت کرنا چاہتا ہے اور ہم مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔بعض علاقوں اور گھرانوں میں افطار کیا ہوجاتا ہے کہ اس کے بعد سے کھانے پینے کا جو سلسلہ شروع ہوجاتا ہے تو تقریباً سحری تک جاری رہتا ہے۔ اور اس قدر کھایا پیا جاتا ہے کہ شاید اتنا عام دنوں میں بھی نہیں کھایا پیا جاتا ہوگا، حالاں کہ اسلام نے ہر معاملے میں اعتدال کی تعلیم دی ہے۔اسلام کھانے پینے سے نہیں روکتا، مگر کھانے پینے میں بے اعتدالی سے روکتا ہے۔رمضان روزے کا مہینہ ہے، اسے کھانے پینے کا مہینہ بنالینا ہرگز مناسب نہیں ہے۔کھانے پینے میں بے اعتدالی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی طبیعتیں خراب ہوجاتی ہیں اور وہ روزہ وعبادات سے محروم رہ جاتے ہیں۔خصوصًا ماہِ رمضان میں کھانے پینے میں سادگی برتنی چاہیے۔اس سے صحت بھی اچھی رہے گی اور عبادتوں میں دل بھی لگے گا۔ ماہ رمضان باقی گیارہ مہینوں کے لیے روحانی غذا حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔ہم رمضان کو شعوری طور پر گزارنے کی کوشش کریں۔اس ماہ میں ہر طرح کی غیر ضروری یا کم اہم مصروفیتوں سے اپنے آپ کو بچا کر زیادہ سے زیادہ وقت اعمالِ رمضان کی ادائی میں لگانے کی کوشش کریں۔اللہ تعالیٰ ہمیں

رمضان کی قدر کرنے اوراس میں اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہوئے ہمیں زیادہ سے زیادہ توشۂ آخرت تیار کر لینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

قبولیتِ اعمال کی فکر

رمضان کا مبارک مہینہ ہم سے رخصت ہو چکا ہے۔ یقیناً اس مہینے میں ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق فرائض کی پابندی کی، سنن ونوافل، ذکر واذکار اور تلاوتِ قرآن کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے کہ اس نے ہمیں یہ مبارک مہینہ عطا کیا اور اس میں عبادتیں بجالانے کی توفیق بخشی، اس لیے کہ قرآن مجید میں جہاں روزوں کا حکم دیا گیا ہے وہیں ان کی تکمیل پر اللہ کا شکر بجالانے کا بھی حکم دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے : وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ . (البقرۃ:185) ''اور وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی دی ہوی ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو''۔

جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ . (الأعراف:43) ''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتا''۔

ان عبادتوں پر خوش ہو کر تکبر اور غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ عرب کے بدّو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر احسان جتلایا کرتے تھے کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور جنگوں میں آپ ﷺ کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيْمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ. (الحجرات:17) ''یہ لوگ آپ (ﷺ) پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ آپ (ﷺ) پر اسلام لائے، ان سے کہہ دیجیے کہ اسلام لاکر مجھ پر احسان نہ جتلاؤ، بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی دولت سے نوازا، اگر تم سچے ہو''۔

انسان اپنی ساری زندگی اللہ کی عبادت میں گزار دے اور ڈھیر ساری نیکیاں لے کر اللہ کے

دربار میں پہنچے تو بھی وہ ان نیکیوں کو قیامت کے دن حقیر سمجھے گا۔حضرت عتبہ بن عبداللہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:لَوْأَنَّ رَجُلًا يَخِرُّعَلٰى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ اِلٰى يَوْمِ يَمُوْتُ هَرَمًا فِيْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَحَقَرَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔(السلسلة الصحيحة:446)''اگر انسان اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے اپنی پیدائش سے لے کر بڑھاپے کی عمر میں وفات تک سجدے میں پڑا رہے،تب بھی قیامت کے دن وہ اس نیکی کو حقیر جانے گا''۔

اس مبارک مہینے میں ہم نے جو عبادتیں کیں،ان کی قبولیت کی فکر اور دعا کرنی چاہیے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں:كُوْنُوْا لِقُبُوْلِ الْعَمَلِ أَشَدَّ اِهْتِمَامًا بِالْعَمَلِ ۔(دروس للشيخ عبدالرحمن السديس)''جس طرح عمل کا اہتمام کرتے ہو اس سے کہیں زیادہ اس کی قبولیت کی فکر کیا کرو''۔

حضرت ابراہیمؑ کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے،رضائے الٰہی کی خاطر آپؑ نے ہر چیز کی قربانی دی۔ وطن کی،گھر بار کی،مال و دولت کی،والدین اور رشتے داروں کی،بیوی بچوں کی،یہاں تک کہ اپنی جان کی قربانی پیش کرتے ہوئے آگ میں کود گئے (مگر اللہ نے آپؑ کی حفاظت فرمائی)۔آپؑ کی یہی وہ قربانیاں تھیں،جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اپنا خلیل (دوست) بنالیا(النساء:125) جو دوستی کا سب سے بلند مقام ہے۔پھر اپنے اس خلیل کو اپنے سب سے محبوب گھر خانۂ کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر کا حکم دیا۔صحیح بخاری کی ایک طویل روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ (ایک لمبے وقفے کے بعد) اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے ملنے کے لیے مکہ آئے (جہاں انھیں اللہ کے حکم سے بچپن ہی میں چھوڑ گئے تھے)، خیرت دریافت کرنے کے بعد کہا:اللہ نے مجھے اپنے لیے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔ فرماں بردار بیٹے نے کہا:آپ اپنے رب کی اطاعت کیجیے۔حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:اس نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اس کام میں تم میرا ہاتھ بٹاؤ۔بیٹے نے فوراً رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے میں حاضر ہوں۔دونوں نے مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کردی۔اس وقت ان کی زبان پر یہ دعا جاری تھی: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (البقرة:127)''اے ہمارے رب!تو ہم سے(اس نیکی کو) قبول فرما،یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے''۔(بخاری:باب

یزفون/الصفات/النسلان فی المشی)

حضرت وہیب بن وردؒ جب کبھی یہ آیت تلاوت کرتے تو رونے لگتے اور کہتے: يَـــا خَـلِيْـلَ الـرَّحْـمٰنِ تَرْفَعُ قَوَائِمَ بَيْتِ الرَّحْمٰنِ وَأَنْتَ مُشْفِقٌ أَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْكَ ۔ ''اے ابراہیمؑ! آپ تو رحمٰن کے دوست تھے، اس کے گھر کی تعمیر کر رہے تھے، کیا آپ کو اس بات کا ڈر تھا کہ آپ کا یہ عمل اللہ کے دربار میں رد کر دیا جائے گا؟''۔(تفسیر ابن کثیر: سورۂ بقرہ، آیت نمبر: 127)

حضرت مریمؑ کی والدہ جب حاملہ ہوگئیں تو یہ دعا کرنے لگیں: رَبِّ إِنِّیْ نَـذَرْتُ لَكَ مَـا فِیْ بَـطْـنِـیْ مُـحَـرَّراً فَتَـقَبَّـلْ مِـنِّـیْ إِنَّكَ أَنـتَ السَّـمِيْـعُ الْعَلِيْمُ. (آل عمران: 35) ''اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں تیری نذر کرتی ہوں۔ وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہوگا۔ میری اس پیش کش کو قبول فرما۔ یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے''۔

صحیح مسلم کی روایت ہے، عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرتے ہوئے آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ۔(مسلم: باب استحباب التـضـحية...: 5203) ''اللہ کے نام سے (میں قربانی کرتا ہوں) اے اللہ! تو محمد، آل محمد اور امتِ محمدیہ کی جانب سے اس قربانی کو قبول فرما''۔

نیک عمل کرتے ہوئے اہلِ ایمان کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ وہ عمل کر کے مطمئن نہیں ہوجاتے کہ ان کا عمل ہر حال میں اللہ کے دربار میں مقبول ہو کر ہی رہے گا، بلکہ ہمیشہ اعمال کی قبولیت کی فکر کرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اہلِ ایمان کی اسی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا: وَالَّـــذِيْـنَ يُـؤْتُوْنَ مَا آتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ. (المؤمنون: 6) ''اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا: اللہ سے ڈرنے والے کون ہیں؟ أَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ. کیا وہ لوگ جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا، يَـابِـنْـتَ الـصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ

وَهُمْ يَخَافُوْنَ أَلَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ ، أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ۔نہیں،اے صدیق کی بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرتے ہیں ، ساتھ ہی انھیں یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے یہ اعمال اللہ کے دربار میں رد نہ کر دیے جائیں‘‘۔(ترمذی:باب ومن سورة المؤمنون:3475)

اسلاف کرام کی عبادتوں کا حال بیان کرتے ہوے حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد ؒفرماتے ہیں: أَدْرَكْتُهُمْ يَجْتَهِدُوْنَ فِي الْعَمَلِ الصَّالِحِ فَإِذَا فَعَلُوْا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الْهَمُّ أَيُقْبَلُ مِنْهُمْ أَمْ لَا ۔ (دروس للشيخ ابراهيم الدويش)’’وہ عبادتوں میں خوب محنت کرتے تھے۔جب عبادتوں سے فارغ ہوجاتے تو انھیں یہ فکر لاحق ہوتی تھی کہ ان کا یہ عمل اللہ کے دربار میں قبول ہوا یا نہیں‘‘۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب کبھی قرآن مجید کی اس آیت پر پہنچتے: وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ. (الزمر:47)’’اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا گمان بھی انھیں نہ تھا‘‘۔تو زار و قطار روتے،اور کہتے:يَا لَيْتَ أَنَّ اللّٰهَ تَقَبَّلَ مِنِّيْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ثُمَّ تَلَا: إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْن. (المائدة:27)’’میری خواہش بس اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ذرہ برابر نیکی قبول کرلے۔پھر وہ یہ آیت تلاوت کرتے: إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ. ’’یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کے اعمال کو قبول فرماتا ہے‘‘۔(دروس للشيخ عائض القرني)

حضرت فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں:لَوْ أَنِّيْ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ تَقَبَّلَ مِنِّيْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا ۔(دروس للشيخ عبدالرحمن السديس)’’اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے رائی کے دانے کے برابر بھی میری نیکی قبول کرلی ہے تو یہ چیز میرے لیے دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے‘‘۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے: مَنْ هٰذَا الْمَقْبُوْلُ مِنَّا فَنُهَنِّيْهِ وَمَنِ الْمَحْرُوْمُ مِنَّا فَنُعَزِّيْهِ ۔’’کاش! ہمیں معلوم ہوجائے کہ ہم میں سے کس کی نیکیاں قبول ہوئیں، تاکہ ہم اسے مبارک بادی دیں،اور ہم میں کس کی نیکیاں قبول ہونے سے رہ گئی ہیں تاکہ ہم اس کو تسلی دیں‘‘۔(دروس

للشیخ ابراهیم الدویش)

ہمارے تمام اعمال اللہ کے دربار میں مقبول ہوں یہ کوئی ضروری نہیں ، بہت ممکن ہے کہ کچھ اعمال رد بھی کردیے جائیں۔صحیح مسلم کی روایت ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے عالم، مال دار اورشہید کا حساب کتاب ہوگا۔تینوں کا دعوی ہوگا کہ انھوں نے اللہ کی نعمتوں کو پاکر اس کے دین کی خدمت کی ،اللہ تعالیٰ فرمائے گا:تم جھوٹے ہو،تم نے یہ سب کام دکھاوے کے لیے کیے تھے،اس کا بدلہ تمھیں دنیا ہی میں مل گیا۔پھر انھیں جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔(مسلم:باب من قاتل للریاء والسمعۃاستحق النار)

سورۂ کہف میں ارشاد ہے: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً.اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً.أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْناً. (الکھف:103 تا105)’’کہہ دیجیے کہ(اگرتم کہوتو) میں تمھیں بتادوں کہ بہ اعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ ہیں کہ جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہوگئیں اوروہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کررہے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اوراس کی ملاقات سے کفر کیا،اس لیےان کے اعمال غارت ہوگئے،پس قیامت کے دن،ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے‘‘۔

اعمال کی قبولیت کی شرط :اللہ تعالیٰ اسی عمل کوقبول کرتا ہے جواخلاص کے ساتھ انجام دیا گیا ہو۔سورۂ احقاف میں ارشاد ہے:أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِيْ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ. (الأحقاف:16)’’یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال توہم قبول کرلیتے ہیں اورجن کے بداعمال سے درگزرکرلیتے ہیں،(یہ)جنتی لوگوں میں ہیں‘‘۔

حسنِ عمل سے مراد وہ عمل ہے جواخلاص کے ساتھ انجام دیا جائے۔

عمل کی قبولیت کی دوسری اہم شرط سنت کی اتباع ہے،یعنی وہ عمل رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوے طریقے کے مطابق ہو۔آپ ﷺ کاارشاد ہے:اِنَّ الرَّجُلَ لَيُصَلِّيْ سِتِّيْنَ سَنَةً وَمَا تَقَبَّلَ لَهُ

صَلَاۃً وَلَعَلَّہُ یُتِمُّ الرُّکُوعَ وَلَایُتِمُّ السُّجُودَ وَیُتِمُّ السُّجُودَ وَلَایُتِمُّ الرُّکُوعَ. (الصحیحۃ : 2535)''انسان اپنی زندگی میں ساٹھ سال مسلسل نمازیں پڑھتا رہتا ہے، مگر اس کی ایک نماز بھی اللہ کے دربار میں قبول نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ رکوع تو برابر کرتا ہے مگر سجدہ (سنت کے مطابق) برابر نہیں کرتا، یا وہ سجدہ تو برابر کرتا ہے مگر رکوع برابر نہیں کرتا''۔

اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کے اعمال قبول فرماتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہوں۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا: إِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ. (المائدہ:27)''یقیناً اللہ تعالیٰ تقوی والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے''۔

عمل کی قبولیت کی علامت : عمل کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ عمل پر مداومت کی توفیق نصیب ہو۔ اسلافِ کرامؒ کا قول ہے: اِنَّ مِنْ عَلَامَاتِ قُبُوْلِ الْحَسَنَۃِ اَلْحَسَنَۃَ بَعْدَھَا وَاِنَّ مِنْ عَلَامَاتِ رَدِّالْعَمَلِ اَلْعَوْدَۃُ اِلَی الْمَعَاصِیْ بَعْدَرَمَضَانَ ۔(دروس للشیخ عبدالرحمن السدیس)''نیکی کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ اس کے بعد بھی نیکی کی توفیق نصیب ہو اور عمل کے قبول نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ رمضان کے بعد انسان پھر گناہوں میں مبتلا ہو جائے''۔

قرآن مجید میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے: اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَائِمُوْنَ. (المعارج:23)''اور جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کو نصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: یَاعَبْدَاللّٰہِ! لَاتَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ فَتَرَکَ قِیَامَہُ ۔(بخاری: باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ :1152)''اے عبداللہ! تم اس شخص کی طرح مت ہو جاؤ جس نے قیام اللیل شروع کیا، پھر اس کو ترک کر دیا''۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے رسول اکرم ﷺ سے گزارش کی: قُلْ لِیْ فِی الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَاأَسْأَلُ عَنْہُ أَحَدًا بَعْدَکَ ۔ مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتایئے کہ آپ ﷺ کے بعد پھر کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔''ایمان باللہ

کا اقرار کرو، پھر اس پر جم جاؤ''۔(مسلم:باب جامع أوصاف الإسلام:168)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:لَایَکُوْنُ لِعَمَلِ الْمُؤْمِنِ أَجَلٌ دُوْنَ الْمَوْتِ ۔''مومن کے عمل کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں، بلکہ موت تک اس کے عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے''۔ پھر یہ آیت تلاوت کی:وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. (الحجر:99)''اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کی موت آجائے''۔(دروس للشیخ عبدالرحمن السدیس)

اہل ایمان کو یہ دعا سکھائی گئی ہے : رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا . (آل عمران:8) ''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے''۔

رسول اکرم ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ ۔''اے دلوں کو پھیرنے والے رب! تو میرے دل کو دین پر ثابت قدم رکھ''۔(ترمذی: باب قول النبی ﷺ یامقلب القلوب..:3864)

حضرت انسؓ نے جب آپ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوے سنا تو پوچھا:اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوی تعلیمات پر ایمان لا چکے ہیں، کیا آپ ہم پر بھی ڈرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ یُقَلِّبُهَا كَیْفَ یَشَاءُ ۔''ہاں! کیوں کہ بندوں کے دل اللہ کی دوانگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے دلوں کو پھیرتا ہے''۔ (ترمذی:باب قول النبی ﷺ یامقلب القلوب..:3864)

رمضان کے مہینے میں ہماری عبادتو ں کا جو حال رہا ہے ،وہی حال اس مہینے کے بعد بھی ہونا چاہیے، تبھی ہماری یہ عبادتیں اللہ کے دربار میں مقبول ہوں گی۔ حضرت کعبؒ فرماتے ہیں: جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور جیسے ہی رمضان ختم ہو جائے عبادتوں کو ترک کر دے تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ پھر فرماتے ہیں:فَصِیَامُهُ عَلَیْهِ مَرْدُوْدٌ وَبَابُ التَّوْفِیْقِ فِیْ وَجْهِهِ مَسْدُوْدٌ ۔''اس کے روزے رد کر دیے جاتے ہیں اور ہدایت اور توفیق کا دروازہ اس پر بند کر دیا جاتا ہے''۔(دروس للشیخ عبدالرحمن السدیس)

حضرت بشر الحافیؒ سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو صرف رمضان میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں، تو آپؒ نے جواب دیا: بِئْسَ الْقَوْمُ لَا یَعْرِفُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا فِیْ رَمَضَانَ ۔"بڑے ہی بدترین ہیں وہ لوگ جو صرف رمضان میں اللہ کو یاد کرتے ہیں"۔(حوالہ سابق)

ان تعلیمات کی روشنی میں ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں۔ اور قبولیتِ اعمال کے لیے فکرمند رہیں، ساتھ ہی مسلسل دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کو قبول فرمائے، اور اس پر مداومت برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس بات کی کوشش کریں کہ ہمارا یہ رمضان ہماری زندگیوں کے لیے ایک انقلابی مہینہ ثابت ہو۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عشرۂ ذی الحجہ

ذی الحجہ اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے۔قرآن وحدیث میں اس مہینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَالْفَجْرِ ، وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔(الفجر:1،2)''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی''۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ فجر)

اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو اس کی عظمت اور اہمیت بتانا مقصود ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:مَامِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَاأَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ ۔کسی بھی دن انجام دیا ہوا نیک عمل اللہ کے پاس اتنا پسندیدہ نہیں جتنا کہ ان دس دنوں میں کیا جانے والا عمل اسے محبوب ہے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا:وَلَاالْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ کیا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وَلَاالْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّارَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَیْءٍ ۔ہاں! جہاد سے بھی افضل ہے،سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلا اور ان میں سے کچھ لے کر نہیں لوٹا،یعنی اللہ کی راہ میں قربان ہوگیا۔(ابوداؤد:باب فی صوم العشر:2440)

ان دس دنوں کی فضیلت بیان کرتے ہوے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:وَالَّذِیْ يَظْهَرُ أَنَّ السَّبَبَ فِیْ امْتِيَازِعَشْرِ ذِیْ الْحِجَّةِ لِمَكَانِ اجْتِمَاعِ أُمَّهَاتِ الْعِبَادَةِ فِيْهِ وَلَايَتَأَتّٰى ذٰلِكَ فِیْ غَيْرِهِ ۔ (فتح الباری:باب فضل العمل فی ایام التشریق)''ان دس دنوں کی اہمیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان میں نماز،روزہ ،صدقہ اور حج وغیرہ جیسی اہم اور بنیادی عبادتیں جمع ہوگئی ہیں ، جو ان کے علاوہ کسی اور دن میں جمع نہیں ہویں''۔

ان ایام کے فضائل میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ان میں سے نواں دن یوم عرفہ ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو مکمل فرمایا۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے آپؓ سے کہا: یَاأَمِيرَالْمُؤْمِنِينَ! آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَأُونَهَا، لَوْ عَلَيْنَامَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ، لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا ۔ ''اے امیر المومنین! تمھاری کتاب میں ایک آیت ہے جس کو تم پڑھتے ہو، اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو اس دن ہم عید مناتے۔ آپؓ نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے اس آیت کا حوالہ دیا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ (المائدۃ:3) ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: قَدْعَرَفْنَاذٰلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِيْ نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَقَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةَ ۔ ہم اس دن کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوی، جب کہ آپ ﷺ عرفہ کے میدان میں تھے اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ (بخاری: بـــاب زيـــادة الايـمـــان ونقصانه:45)

جمعہ کا دن بھی مسلمان کے لیے یوم عید ہے اور عرفہ کا دن بھی خوشی کا دن ہے، کیوں کہ اس دن سارے حاجی عرفہ کے میدان میں جمع ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْحَجُّ عَرَفَةُ ۔ (مسلم: باب بيان أن الدين النصيحة) ''اصل حج وقوفِ عرفہ ہے''۔

سال کے اور دنوں کے مقابلے میں اس دن اللہ تعالیٰ زیادہ تعداد میں لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَامِنْ يَوْمٍ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِمِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ ۔ (مسلم: باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة :3354) ''کوئی دن ایسا نہیں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہو''۔

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کا آخری (یعنی دسواں دن) یوم النحر (قربانی کا دن) ہے۔ احادیث میں اس کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے: اِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَاللّٰهِ

تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ یَوْمُ النَّحْرِثُمَّ یَوْمُ الْقَرِّ۔اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ فضیلت والا دن یوم النحر اور یوم القر یعنی گیارہواں ذی الحجہ کا دن ہے۔(ابوداؤد:باب من نحر الھدی بیدہ واستعان بغیرہ 1767:)

گویا ذی الحجہ کا پہلا عشرہ (ابتدائی دس دن) اہل ایمان کے لیے اجروثواب حاصل کرنے اورنیکیاں کمانے کا بہترین موقع ہے۔ان دس دنوں میں کثرت سے نیک کاموں کا اہتمام کرنا چاہیے۔امام دارمیؒ نے حضرت سعید بن جبیرؒ کے بارے میں نقل کیا ہے: کَانَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ اِذَا دَخَلَ اَیَّامُ الْعَشْرِ یَجْتَهِدُ اجْتِهَادًاحَتّٰی مَا یَکَادُ یَقْدِرُعَلَیْهِ ۔جب عشرۂ ذی الحجہ میں داخل ہوتے تو حضرت سعید بن جبیرؒ عبادتوں میں خوب محنت کرتے۔

ان دنوں میں بعض خاص عبادتوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔جن میں سب سے اہم عبادت حج کی ادائی ہے۔

2۔دوسری اہم عبادت ذکرواذکار ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے: وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ۔(الحج:28) ''مقررہ اور معلوم دنوں میں اللہ کو خوب یاد کرو''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ ان مقررہ دس دنوں سے مراد ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔(بخاری:باب فضل العمل فی أیام التشریق)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:مَامِنْ اَیَّامٍ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰهِ وَلَااَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ اَلْعَمَلُ فِیْهِنَّ مِنْ اَیَّامِ الْعَشْرِ فَاَکْثِرُوْا فِیْهِنَّ مِنَ التَّسْبِیْحِ وَالتَّحْمِیْدِ وَ التَّهْلِیْلِ وَالتَّکْبِیْرِ ۔''کوئی بھی دن اللہ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ عظمت والا نہیں ہے،اور نہ ہی کسی دن کا عمل ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب ہے،لہذا ان ایام میں ''سبحان اللہ''، ''الحمدللہ''، ''لاالٰہ الااللہ'' اور ''اللہ اکبر'' کثرت سے پڑھا کرو''۔(صحیح الترغیب والترھیب : 1148)

قرآن مجید میں جگہ جگہ ان ایام میں تکبیر کہنے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی تلقین کی گئی۔

حاجیوں سے کہا گیا ہے: فَإِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۔ (البقرۃ:198) ''جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو''۔

اور اعمالِ حج سے فارغ ہونے کے بعد بھی ذکر الٰہی میں مشغول رہنے پر ابھارا گیا: فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا۔(البقرہ:200) ''پھر جب تم اپنے ارکانِ حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ''۔

جن کو اللہ تعالیٰ قربانی کی توفیق وطاقت عطا فرمائے، ان سے کہا گیا: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا لِّيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ۔(الحج:34) ''اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں، تاکہ وہ ان چوپایوں (یعنی جانوروں) پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں''۔

اور خصوصیت کے ساتھ قربانی کرتے ہوئے بھی اللہ کے ذکر پر ابھارا گیا ہے۔ اونٹ کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: فَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا صَوَآفَّ ۔(الحج:63) ''پس انھیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو''۔

سلفِ صالحین کا معمول تھا کہ وہ ان ایام میں کثرت سے ذکر واذکار کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ان ایام میں بازار میں جاتے اور بلند آواز سے تکبیر کہتے۔ ان کی آواز سن کر لوگ بھی تکبیر کہنے لگتے۔ (بخاری: باب فضل العمل فی أیام التشریق)

حضرت عمرؓ میدان منیٰ میں وقوف کے دوران اپنے خیمے میں بلند آواز سے تکبیر کہتے۔ ان کی آواز سن کر سارے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ سارا منیٰ تکبیرات سے گونجنے لگتا''۔ (بخاری: باب التکبیر أیام منی..)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے

بعد بلند آواز سے تکبیر کہتے۔(مصنف ابن ابی شیبۃ:باب التکبیر من أی یوم ھو؟)

حضرت علیؓ نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرھویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبۃ:باب التکبیر من أی یوم ھو؟)

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ،حضرت زید بن ثابتؓ،حضرت سلمان فارسیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ وہ تکبیرات کا اہتمام کیا کرتے تھے‘‘۔(حوالہ سابق۔بیہقی:279/3)

3۔تیسری اہم عبادت یوم عرفہ کا روزہ ہے۔یوں تو ان دس دنوں میں آخری دن کے علاوہ کثرت سے روزے رکھنا چاہیے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ذی الحجہ کے ابتدائی نو دن، یوم عاشورا اور ہر مہینہ کے تین دن روزہ رکھا کرتے تھے‘‘۔(ابوداوٗد :باب فی صوم العشر:2439)

خصوصاً یومِ عرفہ کے روزے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَۃَ ،فَقَالَ یُکَفِّرُ السَّنَۃَ الْمَاضِیَۃَ وَالْبَاقِیَۃَ۔(مسلم:باب استحباب ثلاثۃ أیام من کل شھر:2804)’’اللہ کے رسول ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کے اجر وثواب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:’’اس کی وجہ سے پچھلے اور اگلے دو سال کے(صغیرہ) گناہ معاف ہوتے ہیں‘‘۔

4۔چوتھی اہم عبادت قربانی ہے۔یہ دراصل حضرت ابراہیمؑ کی اس قربانی کی یادگار ہے جو انھوں نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کی دینی چاہی تھی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس قربانی کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے اس کو اسوہ اور نمونہ قرار دیا، چناں چہ ارشاد ہے: وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔(الصافات:108)’’اور ہم نے ان کا ذکر پچھلوں میں باقی رکھا‘‘۔

قربانی ان سنتوں میں سے ہے جن کی آپ ﷺ ہمیشہ پابندی کیا کرتے تھے۔حضرت انسؓ

فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ۔ (ابن ماجه: باب أضاحي رسو ل الله ﷺ: 3239) ''رسول اکرم ﷺ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے''۔

دوران سفر بھی عید کا موقع آتا تو آپ ﷺ قربانی کا اہتمام فرماتے تھے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحىٰ فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيْرِ عَشَرَةً۔ (ترمذی: باب الاشتراك فی الأضحية: 1583) ''ہم ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔عیدالأضحیٰ آ گئی تو ہم ایک گائے میں سات اور ایک اونٹ میں دس افراد شریک ہو کر قربانی کیے''۔

قربانی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے آخری حج میں اپنی طرف سے سو اونٹ ذبح کیے۔ یوم النحر کے مصروف ترین دن آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ۶۳ اونٹ ذبح کیے، بقیہ ۳۷ آپ ﷺ کی جانب سے حضرت علیؓ نے ذبح کیے (مسند احمد) اگر ایک اونٹ کے لیے صرف پانچ منٹ بھی صرف کیے ہوں گے تو گویا کہ آپ ﷺ نے پانچ گھنٹے، پندرہ منٹ اس میں صرف کیے۔اس سے قربانی کی اہمیت کو واضح کرنا مقصود تھا۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی کو استطاعت دے تو اسے ضروری ہے کہ اللہ کی راہ میں قربانی کرے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَايَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔ (ابن ماجہ: باب الأضاحي واجبة هي أم لا: 3242) ''جس کو قربانی کی استطاعت ہو، پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے''۔

گھر کے سارے افراد کی جانب سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔حضرت ابوایوبؓ انصاری فرماتے ہیں: كَانَ الرَّجُلُ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُضَحِّيْ بِالْكَبَشِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ فَيَأْكُلُوْنَ وَيُطْعِمُوْنَ ۔(ابن ماجہ: باب من ضحیٰ بشاة عن أهله: 3267) ''رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ اپنی جانب سے اور اپنے گھر والوں کی جانب سے ایک بکرے کی قربانی کیا کرتے تھے''۔

قربانی کرتے ہوئے قربانی کا مقصد ذہن میں تازہ رہنا چاہیے کہ اللہ کے حکم پر آج ہم جانور کی قربانی پیش کر رہے ہیں۔کل دین کے لیے جان کی قربانی کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

قربانی خالص اللہ کے لیے ہو، ریا کاری ، نام ونمود اور فخر ومباہات کے لیے نہ ہو۔آپ ﷺ کی زبانی یہ اعلان کرایا گیا:قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔(الأنعام: 162) ''آپ فرمادیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری ساری عبادتیں ،میرا جینا اور میرا مرنا، سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے''۔

اور فرمایا گیا:لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ۔ (الحج:37) ''اللہ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے ، نہ ان کے خون، بلکہ اسے تو تمھارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے''۔

یہ ذی الحجہ کے چند اہم اعمال ہیں جن پر ہمیں اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ہم ایک ایسے ماحول میں رہتے ہیں جہاں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی زندگی گزارتے ہیں۔قربانی کے معاملے میں ہمیں ان کے جذبات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔قربانی کے ایام میں مسلمان صفائی ستھرائی کے معاملے میں بڑی غفلت برتتے ہیں۔مسلمانوں کی گلیوں میں گوشت اور خون کے نشانات جگہ جگہ دیکھے جاسکتے ہیں، بلکہ بعض اوقات پوری فضا مکدر ہو جاتی ہے۔یہ صورتِ حال کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اعمال کو رضائے الٰہی کے لیے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فریضۂ حج

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو مختلف آزمائشوں سے گزارنے کے بعد انھیں کعبۃ اللہ کی از سرنو تعمیر کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ جب یہ کام پورا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ۔(الحج:27)''اور لوگوں میں حج کی منادی کردے، لوگ تیرے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر مفسرین سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: اے پروردگار! میں مکے کے بیابان میں ہوں، اگر میں یہاں اعلان کروں تو دنیا کے دور دراز علاقوں اور مختلف گوشوں میں بسنے والوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! تمھارا کام اعلان کرنا ہے، اس اعلان کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ حج ، آیت نمبر:27)

چناں چہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ اعلان اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس وقت کے زندہ لوگوں تک پہنچایا بلکہ قیامت تک آنے والے ان تمام انسانوں کی روحوں تک بھی پہنچایا جن کی تقدیر میں کعبۃ اللہ کا حج لکھا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حاجی حج کے لیے جب مکہ پہنچتے ہیں تو تلبیہ میں یہ الفاظ ادا کرتے ہیں :لَبَّیۡکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیۡکَ ۔ میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ یہ دراصل حضرت ابراہیمؑ کے اس اعلان کا جواب ہے۔

بعثتِ نبوی کے بعد ۲۱ ؍سال تک کعبۃ اللہ شرک اور بت پرستی کا مرکز بنا رہا۔ 8ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ کو بتوں کی گندگی سے پاک کیا اور اس کے دوسرے ہی سال 9ھ میں حج فرض کیا گیا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو حاجیوں کا امیر بنا کر فریضۂ حج ادا

کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ پھر اگلے سال **10ھ** میں خود آپ ﷺ حج کے لیے نکلے۔ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ رفیق سفر تھے، سب کے ساتھ آپ ﷺ نے فریضۂ حج ادا فرمایا۔

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ۔(**مسلم**: باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس: **120**)''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، شہادتین (اللہ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے) کا اقرار کرنا، نماز قائم کرنا، (سال میں ایک مرتبہ اپنے مال کی) زکوۃ ادا کرنا، (استطاعت ہو تو) حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا''۔

حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَيُّهَا النَّاسُ !فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا۔ لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا حج کرو۔ ایک شخص نے پوچھا: أَكُلَّ عَامٍ يَارَسُوْلَ اللّٰه؟ !اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ سوال کیا۔ آپ ﷺ پھر بھی خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لَوْقُلْتُ نَعَمْ ،لَوَجَبَتْ وَلَمَااسْتَطَعْتُمْ ۔ثُمَّ قَالَ :ذَرُوْنِيْ مَاتَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَاهَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَاءِ هِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ ۔(**مسلم**: باب فرض الحج مرۃ فی العمر: **3321**)''اگر میں ہاں کہہ دوں تو یہ تم پر ہر سال فرض ہو جائے گا اور تم اس کو ادا نہیں کر سکو گے۔ اس لیے میں جو بات نہ بتاؤں، تم بھی اس کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو۔ تم سے پہلے کے لوگ بے جا سوالات کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ میں تمھیں جس بات کا حکم دوں اپنی استطاعت کے مطابق اس کو انجام دو، اور جس سے منع کروں، اس سے باز آجاؤ''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔

حج کن لوگوں پر فرض ہے؟ حج صرف ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔
جیسا کہ ارشاد ہے: وَلِلّٰـهِ عَـلَـى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ۔ (آل عمران: 97)
''اللہ تعالیٰ کے لیے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں''۔

اس آیت میں استطاعت کی شرط لگائی گئی ہے۔ استطاعت کے مفہوم میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں:

1۔ زادِ راہ کی فراہمی، یعنی اتنی مالی طاقت ہو کہ سفر کے اخراجات پورے ہو جائیں۔ 2۔ سفر کی وجہ سے غیر موجودگی میں اپنی بیوی بچوں اور زیرِ کفالت رہنے والوں کا خرچ ادا کر سکتا ہو۔ 3۔ راستہ پُرامن ہو، اور جان اور مال محفوظ رہیں۔ 4۔ وہ جسمانی اعتبار سے سفر کے قابل ہو۔ یعنی صحت مند ہو، بیمار نہ ہو۔ 5۔ اور اگر عورت ہو تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم (باپ، بیٹا، بھائی، شوہر وغیرہ) ہو۔

اگر چوتھی شرط نہ پائی جائے، یعنی بیماری کی وجہ سے سفر کے قابل نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو حج کے لیے روانہ کر سکتا ہے جو پہلے سے حج کر چکا ہو۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد پر حج فرض ہو چکا ہے، مگر وہ بوڑھے ہیں، سفر کے قابل نہیں، کیا میں ان کی جانب سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے کہا: ہاں، تم ان کی جانب سے حج کر سکتی ہو۔ (مسلم: باب الحج عن العاجز: 3316)

حضرت ابن عباسؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حج میں ایک شخص کو یہ تلبیہ کہتے ہوئے سنا: لَبَّيْكَ عَـنْ شُبْرُمَةَ ۔ میں شبرمہ کی جانب سے حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: یہ شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا: میرا بھائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اپنی جانب سے حج کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے کہا: پہلے اپنی جانب سے حج کرو، پھر شبرمہ کی جانب سے''۔
(ابوداؤد: باب الرجل یحج عن غیرہ: 1813)

حج فرض ہو جانے کے بعد اگر کوئی حج ادا کیے بغیر انتقال کر جائے تو اس کے ورثاء کو چاہیے کہ اس کی

جانب سے حج کریں۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ جُهَيْنَةَ جَاءَ تْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّيْ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَتْ ،أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟قَالَ :نَعَمْ !حُجِّيْ عَنْهَا،أَرَأَيْتِ لَوْكَانَ عَلٰى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً اقْضُوْا دَيْنَ اللّٰهِ فَاللّٰهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ. ’’قبیلۂ جہینہ کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی،حج کرنے سے پہلے ہی انتقال کرگئی،کیا میں اپنی ماں کی جانب سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:ہاں،ان کی جانب سے حج کرسکتی ہو۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:اگر تمھاری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہیں کرتیں؟ یہ تو اللہ کا قرض ہے،اس کا ادا کرنا ضروری ہے‘‘۔(بخاری:باب الحج والنذور عن المیت .)

استطاعت کے باوجود جو لوگ حج نہیں کرتے،ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَبْعَثَ رَجُلًا إِلٰى هٰذِهِ الْأَمْصَارِفَيَنْظُرُوْا كُلَّ مَنْ كَانَ لَهُ جِدَةٌ وَلَمْ يَحُجَّ لِيَضْرِبُوْا عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ ،مَاهُمْ بِمُسْلِمِيْنَ،مَاهُمْ بِمُسْلِمِيْنَ ۔(رواہ ابوسعید فی سننہ)’’میں چاہتا ہوں کہ کچھ لوگوں کو مختلف شہروں میں روانہ کروں ،وہ تحقیق کریں کہ کون لوگ ہیں جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے ،اوران پر جزیہ عائد کردوں۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں،وہ مسلمان نہیں ہیں‘‘۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:مَنْ قَدَرَ عَلَى الْحَجِّ وَتَرَكَهُ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا۔(رواہ ابوسعید فی سننہ)’’جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہ کرے،اس کا یہودی یا نصرانی ہوکر مرنا دونوں برابر ہے‘‘۔

آج مسلمانوں میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی پائی جاتی ہے جو استطاعت کے باوجود فریضۂ حج ادا نہیں کرتے ،حالانکہ ان کے دل میں حج کا سچا ارادہ بھی ہوتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے وہ اس فریضہ میں تاخیر کرتے ہیں ،یا ادا کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو کمانے کی عمر ہے ،پہلے خوب کما کر جائیداد اکھٹی کرلیں گے،گھر بار بنالیں گے،بچوں کو اعلی تعلیم

دلا دیں گے، بچیوں کی شادی کر دیں گے، پھر اس کے بعد حج کریں گے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں چوں کہ حج کے بعد کوئی گناہ نہیں کرنا چاہیے، اس لیے وہ آخری عمر میں حج کر لیں گے تا کہ اس کے بعد نیک اور دین دار بن کر زندگی گزاریں۔ بعض لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ پہلے اپنے والدین کو حج کرائیں گے ، پھر ہم حج کریں گے۔ بعض لوگ یہ بہانہ تراشتے ہیں کہ ہم پر تو حج فرض ہوا ہے مگر ہماری بیوی پر حج فرض نہیں ہوا، جب بیوی پر حج فرض ہو جائے تو دونوں مل کر حج کریں گے۔ بعض لوگ یہ حیلہ بناتے ہیں کہ اپنے بچوں کو چھوڑ کر حج کے لیے کیسے جائیں؟ دورانِ سفر کچھ ہو گیا تو؟ غرض یہ اور اس طرح کے مختلف بہانوں کی وجہ سے حج کی ادائی میں کوتاہی برتی جا رہی ہے۔ حالانکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کے فرض ہو جانے کے بعد فوراً ادا کرنا ضروری ہے، اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ فَإِنَّهُ قَدْ يَمْرَضُ الْمَرِيضُ وَتَضِلُّ الضَّالَّةُ وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ۔ (ابن ماجہ: باب الخروج إلى الحج :2994) ''جو حج کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ جلدی کرے ، تاخیر نہ کرے ، کیوں کہ کبھی وہ بیمار بھی ہو سکتا ہے، کبھی سواری کا بندوبست نہیں ہو پاتا اور کبھی کوئی اور رکاوٹ پیش آجاتی ہے''۔

حج کے بہت سے فائدے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ہے ۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (بخاری: باب فضل الحج المبرور :1521) ''جو شخص اللہ کی خاطر حج کرے، اور دورانِ حج بیہودہ باتوں اور گالی گلوج سے باز رہے تو وہ اسی طرح گناہوں سے پاک ہو کر لوٹے گا جس طرح اس کی ماں نے اس کو جنا تھا''۔

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہاتھ بڑھایئے ، میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا شرط ہے؟ میں نے کہا: شرط یہ ہے کہ میرے پچھلے

گناہ معاف ہوں۔آپ ﷺ نے کہا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اسلام پچھلے سارے گناہوں کومٹا دیتا ہے، اسی طرح ہجرت اور حج بھی پچھلے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔(مسلم:بـاب كـون الاسـلام يهـدم ماقبله و كذا:336)

حج کا دوسرا اہم افائدہ یہ ہے کہ دورانِ حج کی جانے والی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْـغَازِیُ فِیُ سَبِیُلِ اللّٰہِ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْـدُاللّٰـہِ دَعَـاھُـمُ فَأَجَابُوْہُ وَسَأَلُوْہُ فَأَعْطَاھُـمُ ۔(ابن ماجہ:بـاب فضـل دعـاء الحـاج:3005)''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے، یہ سب اللہ کے مہمان ہیں، اللہ نے انھیں بلایا، تو وہ نکل پڑے، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ ان کی دعا ضرور قبول کرے گا''۔

حج کا تیسرا افائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے جنت کا مستحق بنتا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّاالْجَنَّۃَ ۔(بخاری:باب فضل الحج المبرور:1519)''مقبول حج اس کا بدلہ جنت ہی ہے''۔

ایک طرف فرض حج کی ادائی میں معاشرے میں غفلت پائی جاتی ہے تو دوسری طرف نفل حج اور عمرہ کرنے والوں کی بھی ہمارے پاس بہتات ہے بلکہ یہ موجودہ دور میں ایک مقدس سیاحت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ایک سروے کے مطابق عام طور پر ہر سال حج پر جانے والوں میں 85/فی صد ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پہلے حج کر چکے ہوتے ہیں اور جن کا یہ حج نفلی ہوتا ہے۔

اگر یہ لوگ نفلی حجوں کی بجائے رضائے الٰہی کے لیے ایسی جگہوں پر خرچ کریں جہاں خرچ کرنا فرض اور ضروری ہے تو اس سے دین وملت کا بڑا افائدہ ہوسکتا ہے۔

بار بار حج وعمرہ کرنے والوں میں کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے قریبی رشتے دار غریب اور پریشان حال ہوتے ہیں۔خاندان میں کتنی ہی دوشیزائیں غربت ومفلسی کی وجہ سے بن بیاہ بیٹھی شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں۔رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں کتنے ہی نوجوان ایسے ہیں جن

کی تعلیم یا تجارت کے سلسلے میں مالی تعاون کیا جائے تو ان کا مستقبل روشن ہوسکتا ہے۔اس کے علاوہ دین وملت سے تعلق رکھنے والے ایسے کئی ضروری کام رُکے ہوئے ہیں جن پر اگر خرچ کیا جائے تو اسلام اور انسانیت کا بھلا ہوسکتا ہے۔لیکن افسوس اس پہلو پر توجہ نہیں دی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے اور عمل میں اس کی ترجیحات کو ملحوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔

حسنِ خاتمہ

موت ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔ یہ زندگی کا وہ موڑ ہے جس سے ہر کسی کو گزرنا ہے، مگر کوئی انسان یہ نہیں جانتا کہ اس کی موت کب، کہاں اور کس حالت میں آئے گی۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْت ۔(لقمان:34)''کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا''۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا خاتمہ خیر پر ہو۔ جنھیں موت ایسی حالت میں آئے کہ وہ نماز میں، ذکر واذکار میں، قرآن مجید کی تلاوت میں یا کسی اور نیک کام میں مصروف ہوں۔ اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے کہ آدمی کی موت ایسی حالت میں آئے کہ وہ شرک وبدعت کا ارتکاب کر رہا ہو، یا معصیت اور گناہ کے کام میں مصروف ہو۔

آدمی خواہ کتنا ہی عبادت گزار اور نیکوکار ہو، اس بات کی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ اس کی موت ایمان ہی کی حالت میں واقع ہوگی۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ أَحَدَکُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَھَا اِلَّاذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ النَّارِ فَیَدْخُلُھَا وَاِنَّ أَحَدَکُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ النَّارِ حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَھَا اِلَّاذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَھْلِ الْجَنَّةِ فَیَدْخُلُھَا۔ (بخاری: کتاب التوحید: باب قوله تعالیٰ: ولقد سبقت کلمتنا..:7454)''آدمی زندگی بھر نیک کام کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اپنی موت کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس کے اور موت کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا فیصلہ اس پر غالب آجاتا ہے، وہ کوئی غلط کام کر بیٹھتا ہے جس کی بنا پر وہ جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک آدمی اپنی ساری زندگی بدکاریوں میں گزارتا ہے، موت سے قبل اس کو نیک عمل کی توفیق مل جاتی ہے، اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور جنت اس کا مقدر بن

جاتی ہے''۔

غزوۂ خیبر میں کئی مسلمان کفار کے ہاتھوں قتل ہوے۔ صحابہ کرامؓ مقتولین کا نام لے لے کر کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ ایک صاحب کے بارے میں جب صحابہ کرامؓ نے کہا کہ یہ شہید ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: كَلَّا! اِنِّیْ رَأَيْتُهُ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ. (مسلم: باب غلظ تحریم الغلول..) ''ہرگز نہیں! میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے کیوں کہ اس نے مالِ غنیمت کی چادر اڑالی تھی''۔

رسول اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد نام نہاد مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے دینِ اسلام کو ترک کر کے کفر وشرک کی زندگی کو پھر سے اختیار کرلیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایسے لوگوں سے جہاد کیا اور اس میں کئی لوگ مارے گئے۔ اس طرح کفر کی حالت میں ان کا خاتمہ ہوا۔

ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب '' صید الخاطر '' میں لکھا ہے کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو بڑا اعبادت گزار تھا۔ مرض الموت میں میں اس کی عیادت کے لیے پہنچا تو وہ بیماری سے تنگ آ کر کہنے لگا : رَبِّیْ هُوَذَا يَظْلِمُنِیْ۔ ''میرا رب مجھ پر بہت ظلم کر رہا ہے''، اسی پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

کچھ خوش قسمت ایسے بھی ہیں جن کی ساری عمر بدکاریوں میں گزری مگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ عہد نبوی میں ایک یہودی لڑکا بیمار ہوگیا۔ آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ بیمار پرسی کے بعد آپ ﷺ نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ لڑکا سوالیہ نظروں سے اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ باپ نے کہا: أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ ۔ ''ابوالقاسم یعنی محمد ﷺ کی دعوت قبول کرلو''۔ اس لڑکے نے اسلام قبول کرلیا اور اسی وقت اس کا انتقال ہوگیا۔ آپ ﷺ یہ کہتے ہوے وہاں سے اٹھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَنْقَذَهُ بِیْ مِنَ النَّارِ۔ ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے ذریعے اس کو جہنم کی آگ سے بچالیا''۔ (بخاری: باب اذا أسلم الصبی فمات هل يصلی عليه..:1356)

ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، جس نے

ننانوے قتل کیے تھے۔ آخراس کو اپنے جرائم پر پشیمانی ہونے لگی۔ لوگوں نے بتایا کہ فلاں عابد کے پاس جاؤ، وہ تمھاری رہ نمائی کریں گے۔ عابد نے اس کا سارا حال سن کر کہا کہ تمھارا جرم اس قدر سنگین ہے کہ توبہ کی قبولیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مایوس کن جواب کو سن کر اس نے عابد کو بھی قتل کر دیا، مگر امید کی جو چنگاری اس کے دل میں پیدا ہو چکی تھی، وہ برابر ترقی کرتی رہی۔ اس کی جستجو اور طلبِ صادق کو دیکھ کر کسی نے اس سے کہا کہ فلاں عابد کے پاس جاؤ، وہ تمھاری صحیح رہ نمائی کریں گے۔ وہ اس کے پاس پہنچا اور اپنا حال سنا کر پوچھا کہ کیا میرے گناہوں کی بخشش کی کوئی سبیل ہے؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں، تم (اگر سچے دل سے توبہ کرو تو اللہ ضرور تمھارے گناہوں کو معاف فرمائے گا) فلاں بستی میں چلے جاؤ، وہاں نیک لوگ ہیں، ان کی صحبت میں رہو تا کہ تمھاری اصلاح ہو۔ عابد کی نصیحت پر عمل کرتے ہوے وہ صالحین کی بستی کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ موت کا وقت آ پہنچا۔ چوں کہ اس کا جذبہ نیک اور طلب صادق تھی، اس لیے نیک روح قبض کرنے والے فرشتوں کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا۔ (مسلم: باب قبول توبة القاتل وان کثر قتله: **7184**)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ عمرو بن اقیشؓ بہت پہلے حق کی آواز سے آشنا ہو چکے تھے، مگر سودی کاروبار میں اس قدر پھنس چکے تھے کہ مال کی محبت قبولِ حق کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوی تھی۔ آخرکار جنگِ احد کے دن اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ دولتِ ایمان سے معمور ہو کر میدانِ جنگ میں کود پڑے اور اس جواں مردی کے ساتھ لڑے کہ زخمی ہو گئے۔ زخم اتنا شدید تھا کہ اسی میں انتقال کر گئے۔ راوی حدیث ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: فَمَاتَ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَا صَلّٰی لِلّٰهِ صَلَاةً۔ ''قبولِ اسلام کے بعد انھیں ایک نماز بھی پڑھنے کی مہلت نہیں ملی، شہادت پائے اور جنت کے مستحق بن گئے''۔ (ابوداؤد: باب فیمن یسلم و یقتل مکانه فی سبیل الله: **2539**)

قرآن مجید میں اہلِ ایمان کو حسنِ خاتمہ اور اچھی موت کی فکر کرتے رہنے پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ (آل عمران: **102**) ''اے ایمان والو! اللہ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہیے اور دیکھو مرتے دم

تک مسلمان ہی رہنا''۔

سورۂ بقرہ میں ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی آخری وصیت نقل کی گئی ہے۔دونوں اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہیں: وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ' يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (البقرۃ:132) ''اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی،اور اسی کی وصیت یعقوبؑ اپنی اولاد کو کر گئے تھے۔انھوں نے کہا تھا کہ میرے بچو!اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے۔لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا''۔

حضرت یوسفؑ جنھیں کئی آزمائشوں سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت عطا کی تھی۔آخری وقت میں اللہ کی ان نعمتوں کا شکر بجالاتے ہوئے یہ دعا کرتے ہیں: رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ' فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ' تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۔(یوسف:101)''اے میرے پروردگار!تو نے مجھے بادشاہت عطا کی اور مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی۔اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے!تو ہی دنیا وآخرت میں میرا ولی اور کارساز ہے۔تو مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور نیک لوگوں میں ملادے''۔

قرآن مجید میں مؤمنین کی ایک دعا یہ منقول ہے : رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ، رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ (آل عمران:193)''اے ہمارے رب!ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا بہ آواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو!اپنے رب پر ایمان لاؤ،پس ہم ایمان لائے۔یاالٰہی!اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کردے''۔

جنازے کی نماز میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں،ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے : اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ ۔(ابن ماجہ:کتاب

الجنائز:باب ماجاء فی الدعاء فی الصلاۃعلی الجنازۃ) ''اے اللہ! ہم میں سے تو جس کو زندہ رکھے، ایمان کی حالت میں زندہ رکھ۔ اور جس کو وفات دے، ایمان کی حالت میں وفات دے''۔

رسول اکرم ﷺ اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے : اَللّٰھُمَّ یَا مُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ ۔''اے دلوں کو ثابت رکھنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ''۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا: (اے اللہ کے رسول ﷺ!) آپ کو کس بات کا اندیشہ ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اے عائشہؓ! میں کیسے مطمئن رہ سکتا ہوں جب کہ بندوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں''۔(ظلال الجنة:۲۳۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے : یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ۔(ترمذی:باب ماجاء أن القلوب بین اِصبعی الرحمن:2290)''وہ جیسے چاہے پلٹتا رہتا ہے''۔

حسنِ خاتمہ کے چند واقعات :حضرت عمرؓ کی وفات نماز کی حالت میں ہوی۔ آپؓ فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مصلیٰ پر پہنچے تو ابولؤلؤ فیروز نامی ایک یہودی نے آپؓ پر حملہ کردیا، اور یہی حملہ آپؓ کے انتقال کا سبب بنا۔

حضرت عثمانؓ کو دشمنوں نے کئی دنوں تک گھر میں محصور کررکھا تھا۔ ایک دن آپؓ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے کہ دشمنوں نے آپؓ پر حملہ کرکے شہید کردیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پوتے حضرت عامر بن ثابتؒ اکثر فجر کی نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے:اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ الْمِیْتَةَ الْحَسَنَةَ ۔''اے اللہ میں تجھ سے اچھی موت کا سوال کرتا ہوں''۔ان کے بیٹے نے دریافت کیا کہ اچھی موت سے آپ کی کیا مراد ہے؟ باپ نے کہا:أَنْ یَتَوَفَّانِیْ رَبِّیْ وَأَنَا سَاجِدٌ۔''مجھے میرا رب سجدے کی حالت میں وفات دے''۔ان کی یہ خواہش یوں پوری ہوی کہ وہ مغرب کی نماز میں حالتِ سجدہ میں تھے کہ ان کی روح قبض ہوگئی۔

علامہ ابن تیمیہؒ قرآن مجید کی تلاوت کررہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے: اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ،فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔(القمر:55،54)''یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے

جنتوں اور نہروں میں ہوں گے، راستی اور عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس''۔تو آپ کی روح پرواز کر گئی۔

حسن خاتمہ کی علامات : وفات سے قبل کلمہ توحید کا ادا ہونا حسنِ خاتمہ کی ایک علامت ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (ابوداؤد:باب في التلقين :3116)''جس کا خاتمہ کلمۂ توحید (لا إلہ إلا اللہ) پر ہو وہ جنت میں داخل ہوگا''۔اسی لیے آپ ﷺ نے مرض الموت میں کلمۂ توحید کی تلقین کا حکم دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے : لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. (ابن ماجہ: باب ماجاء في تلقين الميت :لاإله إلاالله)''اپنے بیماروں کو جو مرض الموت میں ہوں کلمۂ توحید کی تلقین کرو''۔

اچھی موت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔یہ صرف اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ قف وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ۔(ابراہیم:27)''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، ہاں ناانصاف لوگوں کو اللہ تعالیٰ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے''۔

یا پھر ان بندوں کو نصیب ہوتی ہے جن پر اللہ کا خصوصی انعام ہو۔حضرت انسؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اِسْتَعْمَلَهُ قِيْلَ كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ ثُمَّ يَقْبِضُهُ عَلَيْهِ۔ (ترمذی:باب ماجاء أن الله كتب كتابا لأهل الجنة وأهل النار :2292) ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو عملِ (خیر) پر لگا دیتا ہے۔دریافت کیا گیا: کیسے عمل پر لگا دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: موت سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے نیک عمل کی توفیق عطا کرتا ہے، پھر اسی پر اس کا خاتمہ فرما دیتا ہے''۔

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنھیں آخری وقت میں کلمۂ توحید کی تلقین کی گئی،مگر ان کی زبان سے کلمہ ادا نہ ہو سکا۔امام قرطبیؒ نے اپنی کتاب''التذکرۃ''میں ایک تاجر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ مرض الموت

میں جب اس کو کلمہ کی تلقین کی گئی تو اس کی زبان پر اپنے کاروبار کا حساب کتاب جاری تھا۔

قصص السعداء والأشقياء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ سعودی عرب کے شہر ''ریاض'' میں تین نوجوان سڑک حادثہ کا شکار ہو گئے، جن میں سے دو جائے وقوع پر ہی دم توڑ دیے۔ ایک نوجوان جو آخری سانسیں گن رہا تھا، اس کی اس نازک حالت کو دیکھ کر راہ چلتے ایک شخص نے اس کو کلمہ کی تلقین کی تو وہ کہنے لگا: أَنَا فِيْ سَقَرَ، أَنَافِيْ سَقَرَ. ''میں جہنم میں ہوں، میں جہنم میں ہوں''.....اسی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

بری موت سے ہمیشہ اللہ کی پناہ طلب کرنا چاہیے، کیوں کہ آدمی کی موت جس حالت میں ہوتی ہے، قیامت کے دن وہ اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلىٰ مَا مَاتَ عَلَيْهِ۔ (مسلم: باب الأمر بحسن الظن بالله عندالموت: 7413) ''ہر بندہ اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں اس کی موت ہوئی''۔

جس کی موت اچھی حالت میں ہوگی وہ اچھی حالت میں اٹھایا جائے گا، جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے: ایک شخص حج کی حالت میں انتقال کر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ وَلَاتُخَمِّرُوْا وَجْهَهُ وَلَارَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا۔ (بخاری: باب سنة المحرم إذا مات: 1851) ''اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، احرام ہی کے کپڑوں میں دفناؤ، چہرہ اور سر مت ڈھانکو (جیسا کہ وہ احرام کی حالت میں تھا) قیامت کے دن وہ تلبیہ کہتے ہوے اپنی قبر سے اٹھے گا''۔۔۔۔اور اگر بری حالت میں کسی کی موت واقع ہو تو اسی حالت میں وہ قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سوے خاتمہ سے بچائے اور حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے، آمین۔ ۞۞۞